جامعہ مدنیہ جدید کا ترجمان

جنوری
2004ء

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

اللہ رے یہ وسعتِ آثارِ مدینہ
عالم میں ہیں پھیلے ہوئے انوارِ مدینہ

نفیسؔ

بیاد
عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں صاحبؒ
بانیٔ جامعہ مدنیہ جدید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۱۲ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ / جنوری ۲۰۰۴ء شمارہ : ۱

مدیر اعلیٰ

سید محمود میاں

مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ

لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۳ روپے	سالانہ	۱۵۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی	〃	۵۰ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	〃	۶ امریکی ڈالر
امریکہ، افریقہ	〃	۱۶ ڈالر
برطانیہ	〃	۲۰ ڈالر

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ــــــ سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ ــــــ ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

پوسٹ کوڈ : 54000 موبائل : 0333.4249301

فون : 7724581 فون / فیکس: 92-42-7726702

E-mail : jmj786_56@hotmail.com

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرف آغاز ـــــــــــــــــــــــ ۳

درس حدیث ـــــــ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ ـــــ ۹

حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ ـ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ ـــــ ۱۴

قربانی ـــــ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ـــــ ۲۲

پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکاری ـ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ـــــ ۳۱

اکابر کی جدو جہد تاریخی خطوط کی روشنی میں ـ حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب ـــــ ۴۸

دینی مسائل ـــــــــــــــــــــــ ۵۹

عالمی خبریں ـــــــــــــــــــــــ ۶۱

اخبار الجامعہ ـــــــــــــــــــــــ ۶۳

۞۞۞

قارئین انوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ انوارِ مدینہ کے ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ ارسال کیا جارہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جوایک دینی ادارہ سے وابستہ ہے اس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اوراس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہوئے اپنا چندہ بھی ارسال فرمادیں اور دیگر احباب کو بھی اس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تا کہ جہاں اس سے ادارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے۔ (ادارہ)

۞۞۞

جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس

jmj786_56@hotmail.com

۞۞۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

علماء کرام اور قومی دھارا

قدر شناسی یا ناقدری

کھلا خط بنام چیف ایگزیکٹو پاکستان

جناب جنرل پرویز مشرف صاحب

باسمہ تعالیٰ

عزت مآب چیف ایگزیکٹو پاکستان جناب جنرل پرویز مشرف صاحب

سلام مسنون

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد!

گزشتہ ماہ ۴ر دسمبر کو حکومت کی دعوت پر اسلام آباد میں ملک کے مختلف علاقوں سے آنے والے علماء ومشائخ سے آپ نے تفصیلی خطاب فرمایا۔ قومی اخبارات میں آپ کا خطاب پڑھا بعض باتوں پر مسرت ہوئی جبکہ بعض پر تعجب۔ آپ نے دینی مدارس کو دنیا کی سب سے بڑی ''این۔جی۔او'' قرار دیا اور بقول آپ کے آپ نے مغربی لیڈروں اور وہاں کے

میڈیا کے سامنے اس بات کا برملا اظہار بھی فرمایا ہے۔آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ مدارس تعلیم کے ساتھ ساتھ رہائش اور کھانا بھی مفت فراہم کرتے ہیں۔آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ پاکستان میں گنتی کے صرف چند مدارس ہیں جو انتہا پسندی کو فروغ دیتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ آپ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ مدارس کی اکثریت اعتدال پسند ہے اور انتہا پسندی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے،صرف چند مدارس پر انتہا پسندوں کو فروغ دینے کا الزام گزشتہ چند سالوں سے سابقہ حکومتیں بھی لگاتی چلی آئی ہیں ممکن ہے کہ یہ بات کسی حد تک درست ہو کیونکہ مدارس مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود علماء کی جانب سے ان کی نشاندہی کے مطالبہ کے باوجود تا حال اِن کی نہ تو نشاندہی کی گئی اور نہ ہی کوئی عملی کارروائی سامنے آئی۔آپ نے یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ آپ دینی مدارس پر کریک ڈاؤن کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔آپ کے خطاب کا مذکورہ بالا حصہ باعثِ مسرت واطمینان ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "تاہم ہم انہیں قومی دھارے میں لائیں گے۔" یہ بات البتہ ہمارے لیے موجبِ تعجب ہے کیونکہ قومی دھارے میں لانے سے آپ کی مراد ہم تا حال سمجھنے سے قاصر ہیں اگر اس کی اُسی وقت وضاحت کردی جاتی تو بہت بہتر ہوتا۔اس نوعیت کی گفتگو بعض لوگوں سے ہم پہلے بھی سنتے رہے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ وضاحتیں آپ کے گوش گزار کردی جائیں۔

دُنیا میں آنے والا ہر شخص اپنے اندر قدرتی طور پر کچھ خصوصی صلاحیتیں رکھتا ہے اس کے ذہنی رجحانات انہی صلاحیتوں کی تابعداری کرتے ہوئے اپنے لیے مستقبل میں جہات کی تعیین کرتے ہیں یہ جہات کبھی قریب قریب ہوتی ہیں اور کبھی بالکل مختلف سمتوں کی طرف جارہی ہوتی ہے۔ان میں کسی کی فکری صلاحیتیں عملی صلاحیتوں پر غالب ہوتی ہیں کسی کی عملی صلاحیت فکر پر غالب ہوتی ہے کوئی زرعی میدان میں خدمات انجام دینا چاہتا ہے تو کوئی طبی میدان کو اختیار کرتا ہے کوئی سائنسی کوئی عسکری تو کوئی سیاسی کوئی ملی اور فلاحی تو کوئی تعلیمی،کوئی طبعیات (Physics) کا ماہر ہوتا ہے تو کوئی کیمیائی امور (Chemistry) کا،چونکہ ان کی تعداد کثیر ہوتی ہے اس لیے ہر جہت میں جانے والوں کی تعداد بھی لاکھوں میں ہوتی ہے۔ان کی صلاحیتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوا ادارے قائم کیے جاتے ہیں جہاں انہی صلاحیتوں کے ماہرین مستقبل کے ان معماروں کو ہاتھوں ہاتھ لے کر ان کی تربیت کرتے ہیں،بعد ازاں یہ تربیت یافتہ ہونہار عملی میدان میں آکر ملک وقوم کی خدمت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔غرض پیدا ہونے سے لے کر عملی خدمات تک بلکہ زندگی کے آخری سانس تک بحیثیتِ اجتماعی قدرت کے بنائے ہوئے دھارے سے ایک لمحہ کے لیے بھی باہر نہیں ہوتے۔اپنی انہی مخصوص صلاحیتوں کی بناء پر بہت سے طبقے وجود میں آجاتے ہیں اور کوئی طبقہ دوسرے طبقہ کی جگہ نہیں لے سکتا،ان سے یہ توقع کرنا کہ ڈاکٹر زرعی خدمات بھی انجام دے اور زرعی ماہر تھوڑی بہت سرجری بھی کرلیا کرے۔سائنسدان کچھ سیاست کے داؤ پیچ بھی جانے اور سیاست دان فزکس اور کیمسٹری کے جوہر بھی دکھائے کسی طرح بھی مناسب نہ ہوگا اور اس کی کوشش کرنا وقت

کے ضیاع کے ساتھ ساتھ ملک وقوم کی بربادی پر ہی منتج ہوگا البتہ ان طبقات میں اختلافی جہات کے باوجود بہت سی قدریں بہرحال مشترک ہوتی ہیں مثلاً یہ سب زمین کے رہائشی ہیں روشنی، ہوا، پانی اور غذا کے سب ایک جیسے محتاج ہیں اور اپنے اپنے مقام پر قدرت کی ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھارہے ہیں۔ اسی طرح ہر کوئی کسی نہ کسی مذہب سے بھی وابستہ ہے اور اس سے قلبی لگاؤ اور تعلق رکھتا ہے۔ غرض مختلف طبقات سے تعلق رکھنے کے باوجود مذہب ان سب کا قدرِ مشترک ہوتا ہے اور اس سے ان کا تعلق اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ اپنی خدمات کو مذہب پر نچھاور کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی خدمات کو مذہب کے تابع بھی رکھنا چاہتا ہے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں چاہتا کہ مذہب کو خدمات کے تابع کردے یا اُس کو خدمات پر قربان کردے۔ مذہبی وابستگی کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے وگرنہ مذہب اپنی شناخت کھودے گا اور پوری قوم وملت کو بے نامی کا عفریت نگل جائے گا۔ مملکتِ خداداد ِپاکستان کے عوام کی بھاری اکثریت مسلمان ہے اور ان کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے اسلام سے وابستگی ہی پاکستان کی شناخت ہے اگر یہ وابستگی خدانخواستہ ختم ہوجائے تو ہندوستان اور پاکستان کا فرق ختم ہوجائے گا قیامِ پاکستان کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔ نظریۂ پاکستان کی حیثیت ایک پھٹے ہوئے غبارہ کی سی رہ جائے گی غرض مذہبی حیات وشناخت ہی پاکستان کے ہر طبقہ کی حیات وشناخت کے لیے ضروری ہے۔ اس کے برخلاف پاکستان کے ہر طبقہ کو (بشمول علماء کرام) سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کا ماہر بنانے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہر طبقہ کو (بشمول علماء کرام) ماہر ڈاکٹر، وکیل، سائنسدان، ریاضی دان بنانے کی کوشش کرنا اور یہ ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا نہ ہی اس کے نتائج اچھے نکل سکتے ہیں۔ آپ ہی فرمائیں کہ اگر اس دور کا ہر فرد سائنس و ٹیکنالوجی کا ماہر ہوجائے تو اس ملک کا بیڑہ غرق نہ ہوگا تو کیا ہوگا؟ یہ ایسا تباہ کن فارمولا ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی کے سب سے ترقی یافتہ ممالک بھی اس پر عمل تو کجا اس کی خواہش بھی نہیں کرسکتے۔ اقتصادیات ومعاشیات کا ادنیٰ طالب علم بھی اس فارمولے کو قبول نہ کرے گا۔ البتہ عام لوگوں تک جدید ٹیکنالوجی، سائنسی معلومات، جغرافیہ وغیرہ کی ابتدائی اور ضروری معلومات کی رسائی کی کوشش میں کچھ حرج نہیں ہے بلکہ یہ ایک مفید چیز ہے جبکہ اس سے متعلق مخصوص صلاحیتوں کے حامل افراد کی اس سے مستقل وابستگی ملکی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ حکومت کا اس کی سرپرستی اور اس سے وابستہ افراد کی حوصلہ افزائی کرنا فریضوں میں سے اہم فریضہ ہے۔ اس کی اہمیت کا احساس جتنا طبقہ علماء کو ہے شاید آپ سمیت کسی کو نہ ہو۔ اس میں غفلت کو علماء اُمت بالاتفاق قومی جرم اور گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔ جدید عصری علوم کے حصول کی اہمیت سے علماء اُمت نے کبھی صرفِ نظر نہیں کیا بشرطیکہ اس کے ذریعہ حاصل ہونے والے مقاصد نیک ہوں اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کا ذریعہ ہوں قرآن پاک وحدیث شریف میں جگہ جگہ اس کی ترغیب ملتی ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے دین سے تعلق اور وفاداری دیگر ہر قسم کی وفاداریوں پر مقدم ہو وگرنہ اس میدان میں جدوجہد اور مسابقت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہندوؤں، عیسائیوں اور یہودیوں کا اس میدان میں ترقی کر لینا ہی سب کے لیے کافی ہے کیونکہ ہماری طرح وہ بھی انسان ہیں اور صرف انسان ہونے کی حیثیت سے ایک انسان دوسرے انسان کی ضرورت پوری کر سکتا ہے لہٰذا معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ علماء اور مشائخ کو بلا کر اس کی اہمیت کا احساس دلانا سورج کو چراغ دکھانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہاں اگر علماء کرام کو بلا کر اس مسئلہ پر سوچ بچار کی جاتی کہ وہ دینی خدمات جو وہ اپنے اپنے دائرہ میں بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں بالخصوص دینی اداروں کے ذریعہ لوگوں کو اخلاقیات اور دینی معلومات سے آراستہ کر رہے ہیں جو کہ ہر فرد کی ضرورت ہے اور اس کی وجہ سے معاشرہ میں صحت مند ماحول پروان چڑھ رہا ہے کیا ایسی خدمات سے اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کو بھی فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے تا کہ ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے لاکھوں طلباء دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب سے واقفیت رکھ سکیں کیونکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں دین کی تعلیم ایک خاص حد تک قوم کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے۔ علماء یہ نہیں کہتے کہ ہر شخص کے لیے مکمل دینی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ کہ ہر شخص ضرور جید عالم دین بنے۔ وہ تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ مذہبی تعلیم ایک خاص مقدار میں قوم کے ہر ہر فرد کے لیے بلاواسطہ ضروری ہے بیٹا باپ کی جگہ نماز نہیں پڑھ سکتا اس کے بدلہ کا روزہ نہیں رکھ سکتا اسی طرح باپ بیٹے کی جگہ ایسا نہیں کر سکتا ہر فرد کو اپنی نماز روزہ اور دیگر ذمہ داریاں خود ادا کرنی پڑتی ہیں۔ جبکہ عصری علوم کا حصول ہر فرد کے لیے بلاواسطہ ضروری نہیں ہے اس لیے کہ عصری علوم ملک وقوم کے لیے بایں معنی ضروری ہیں کہ ایک خاص طبقہ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق ان کو حاصل کر کے ملک وقوم کو فائدہ پہنچائے اور باقی افراد بالواسطہ اس سے نفع اُٹھا سکیں مثال کے طور پر اگر ایک خاندان میں ایک فرد ڈاکٹر ہے دوسرا انجینیر ہے اور تیسرا تاجر ہے تو خاندان یا ملکی نظام میں خلل کے بجائے بہتری ہی پیدا ہوگی حالانکہ ان میں سے کوئی ایک فرد بھی دوسرے کے فن اور خدمات سے کچھ آگاہی نہیں رکھتا، مختصر یہ کہ عصری علوم کی طرف قوم کا ہر فرد براہِ راست شخصی طور پر محتاج نہیں ہے بلکہ بحیثیت مجموعی قوم اس کی محتاج ہے جبکہ مذہبی تعلیم کی طرف قوم شخصی طور پر محتاج ہے قوم کے ہر مرد وعورت کو اس کی حاجت ہوتی ہے لہٰذا آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ علماء کرام سے صرف اُس کام کی توقع رکھیں جس کے وہ ماہر ہیں اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں دینی خدمات کا میدان سب سے زیادہ اہم بھی ہے اور سب سے زیادہ وسیع بھی ہے اس لیے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملک وقوم کی سب سے زیادہ خدمت اس وقت علماء کرام کر رہے ہیں اور صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ بیرونی دنیا کے مسلم اور غیر مسلم ممالک میں بھی اپنی فلاحی خدمات بلا کسی اُجرت کے پوری تندہی سے انجام دے رہے ہیں اس لیے یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ طبقہ علماء جن کی خدمات صرف قومی نہیں بلکہ عالمی دھارے کا حصہ ہوں آپ ان کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے لیے فکر مند ہوں تو آپ ہی فرمائیے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کیا اس کو حقیقت شناسی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا

کہ ان علماء کی آپ قدردانی فرماتے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے اسکولوں اور کالجوں میں ان کی خدمات طلب کرتے اور مزید مراعات کا اعلان فرماتے۔

کون نہیں جانتا کہ دنیا کی فی الوقت جتنی بھی این جی اوز ہیں ان میں اکثر کے درپردہ مذموم مقاصد ہیں اور ان کے اہل کار پہلے اپنا پیٹ بھرتے ہیں پھر دوسرے کا سوچتے ہیں بھوکے رہ کر اور پیٹ پر پتھر باندھ کر کام کرنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے ان کا مطالبہ ہوتا ہے کہ ان کو اچھی گاڑی، بہترین گھر اور دیگر آسائش پہلے فراہم کی جائیں پھر کام کی توقع رکھی جائے اس کے برخلاف علماء کے قائم کردہ ''مدرسہ این جی اوز'' اور دیگر بہت سی این جی اوز ایک مقدس جذبہ کے تحت بلا کسی دنیاوی لالچ کے ان کو چلا رہے ہیں اس لیے آپ کا یہ فرمانا بالکل درست بلکہ حقیقت شناسی ہے کہ مدارس دنیا کی سب سی بڑی این جی اوز ہیں مگر ہماری رائے میں ان کی بے لوث خدمات اور جذبہ ایثار کی وجہ سے اگر ان کو ''مقدس این جی اوز'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

جنابِ والا ذرا غور فرمائیں کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ کوچوانوں کا طبقہ تو قومی دھارے کا حصہ ہو، رکشہ چلانے والوں کا طبقہ بھی یہ اعزاز رکھتا ہو اور یہی عزت پتھر کوٹنے والے سڑک بنانے والے مزدور کو بھی حاصل ہو اور اِس درجہ حاصل ہو کہ آپ ملکی نظام چلانے کے لیے اپنے حق میں اُن سے رائے کے بھی طلب گار ہوں اور اس رائے شماری میں علماء اور طلباء بھی حصہ لیتے ہوں۔ یہ قومی اور صوبائی اسمبلی کے ممبر اور سینٹ کے رُکن بن سکتے ہوں، اسمبلیوں کے اسپیکر کے فرائض بھی انجام دے سکتے ہوں، قائدِ حزبِ اختلاف اور وزارتِ عظمیٰ کے امیدوار بن کر الیکشن بھی لڑ سکتے ہوں، وزیرِ اعلیٰ بھی بن سکتے ہوں نہ صرف وزیر بلکہ وزیر گر اور بادشاہ گر کی حیثیت اختیار کر چکے ہوں مگر اس کے باوجود اِن کے بارے میں آپ کو یہ سوچ بھی دامن گیر ہو کہ اِن کو کس طرح قومی دھارے میں شامل کیا جائے۔ آپ خود اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ دینی مدارس دنیا کی سب سے بڑی ''این۔ جی۔ اوز'' ہیں کیا اس اعتراف اور ان حقائق کے بعد بھی یہ قومی دھارے سے باہر ہیں۔ اس سے پہلے قومی جرائد میں شائع ہونے والے اپنے ایک انٹرویو میں آپ طالبان کو دنیا کی سب سے سریع الحرکت فوج قرار دے چکے ہیں کیا اس کے باوجود بھی یہ قومی دھارے سے خارج اور ٹیکنالوجی سے نابلد قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ جناب والا اس جدید دنیا کی جدید ایجادات کو جیسے دیگر افراد استعمال کر کے فائدہ اُٹھا رہے ہیں بالکل اسی طرح علماء کرام اور دینی مدارس سے فارغ ہونے والے افراد بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ کمپیوٹر کا استعمال جیسے دیگر افراد کر رہے ہیں ایسے ہی اِن کو اس کا استعمال کرنا آتا ہے، جدید کاریں جیسے دیگر افراد چلاتے ہیں بالکل اسی طرح یہ بھی ان کو چلا لیتے ہیں، موبائل فون کا طریقہ استعمال جیسے اَوروں کو آتا ہے اِن کو بھی آتا ہے۔ اسی طرح ہوائی جہاز، فیکس، ٹیلیفون غرض گھریلو مصنوعات سے لے کر باہر کی مصنوعات تک ہر جدید و قدیم اشیاء کے استعمال میں قدم بقدم ساتھ ہیں،

نامعلوم وہ کونسا زاویہ نگاہ ہے جس سے آپ اب بھی ان کو قومی دھارے سے باہر تصور کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ مغربی میڈیا کی سحر بیانی کا اثر ہے جو کسی وقت اس قسم کا تاثر آپ کے ذہن پر چھوڑ جاتا ہے کیونکہ ہم آپ کے بیان پر اعتبار کرتے ہوئے آپ سے اس بات کی توقع کرتے ہیں کہ آپ نے مدارس کا دفاع کیا ہوگا اور بحثیت مسلمان کرنا بھی چاہیے تھا، دینی مدارس جن کے فضلاء کی تالیفی و تصنیفی، فلاحی و تبلیغی، قومی وسیاسی خدمات نے پورے عالم کو منور کیا ہو اور جن کا علمی اور رُوحانی فیض سارے جہان میں سورج کی طرح چمک رہا ہواُن کے بارے میں یہ سوچنا کہ ان کو قومی دھارے میں کیسے لایا جائے حاصل شدہ چیز کو پانے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یہ گزارشات آپ کی سوچ میں ضرور تبدیلی لائیں گی اور جامعات سے فارغ التحصیل طلباء کے ساتھ وقت کے جدید تقاضوں میں ہم آہنگی محسوس ہوگی اور یوں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو کر آپ کے لیے ذہنی آسودگی کا باعث بنیں گی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم اور آپ سے اپنے دین اور ملک وقوم کی خوب خوب خدمت لے کر آخرت میں سرخرو فرمائے۔آمین۔

خیر اندیش

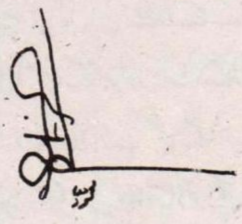

خادم جامعہ مدنیہ جدید و خانقاہ حامدیہ

رائیونڈ روڈ لاہور

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

درس حدیث

حضرت اقدس پیرومرشد مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہ نامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اس فیض کو تاقیامت جاری و مقبول فرمائے۔ (آمین)

بعض اسلامی تعلیمات مسلمانوں کی فطرت کا حصہ بن گئیں
غریب و امیر ہر شخص سنت پر عمل کرسکتا ہے
مہر زیادہ رکھنا اسلام نے پسند نہیں کیا

تخریج و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب

کیسٹ نمبر ۴۲ سائیڈ بی/۸۴-۱۲-۲۸

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین امابعد!

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے دیکھا کہ وہاں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کے خادمِ خاص ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی مسلمان تھیں ان کے شوہر کی وفات ہوگئی یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کی۔

حضرت اُمِ سلیم کی نکاح کے لیے شرط :

ابوطلحہؓ نے ان سے شادی کرنی چاہی تو انہوں نے کہا کہ نہیں جب مسلمان ہوجاؤ گے تو میں نکاح کروں گی تو یہ مسلمان ہوگئے۔

اسلام کی خوشی میں مہر چھوڑ دیا :

اُنھوں نے جب اسلام قبول کرلیا تو پھر اِنھوں نے ان سے اظہارِ مُسرت کے طور پر یہ کہا کہ میں تم سے مہر طے ہی نہیں کرتی، تمہارے اسلام کی وجہ سے میں مہر چھوڑتی ہوں۔

مہر کا مسئلہ : ضروری وضاحتیں :

اب یہ ہے کہ مہر کا مسئلہ اگر مہر طے نہ کیا جائے ذکر ہی نہ کیا جائے اس کا تو پھر "مہرِ مثل" لازم ہوگا یعنی جو اس کے خاندان کا مہر ہے وہ دیا جائے اور خاندانی مہر جو ہیں کہیں پانچ ہزار کہیں زیادہ ہیں کہیں کم ہیں اور دس درہم سے کم تو ہو نہیں سکتا۔ وہ جو بتیس روپے ہیں تو یہ اس وقت ہوتا ہوگا جب روپیہ ایسا روپیہ نہیں تھا بلکہ چاندی کا ہوتا ہوگا اس وقت ہوتا ہوگا اب وہ بتیس روپے نہیں ہوگا۔ مہرِ فاطمی جو ہے وہ بھی بتیس سے بہت زیادہ ہے تو اگر مہر کا ذکر بالکل نہ ہو نکاح میں تو مہرِ مثل ہو جائے گا دیکھا جائے گا کہ پھوپھی کا کیا ہے اس کی خالاؤں کا کیا ہے وہ مہر واجب کر دیا جائے گا مہر ہی نہ ہو تو یہ نہیں ہو سکتا مہر ہوگا ضرور، یہ نہیں کہا جا سکتا نکاح میں کہ مہر ہے ہی نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ مہر ہے اب کتنا ہے...... وہ دس درہم سے زیادہ ہونا چاہیے کم نہ ہو اس سے۔ اگر اس کو کم کرنے کو کہا ہے تو نہیں ہوگا اور اگر یہ کہیں گے کہ مہر ہی نہیں ہے تو یہ بھی نہیں مانی جائے گی بات، ایسی بات اُن کی ناواقفیت اور جہالت پر محمول کی جائے گی۔

مہر بہت زیادہ رکھنا پسند نہیں کیا گیا :

اب کتنا ہو اس کی کوئی حد نہیں ہے لیکن یہ پسند نہیں کیا گیا شریعت مطہرہ میں کہ مہر کو بہت بڑھا دیا جائے۔ یہ پسند نہیں کیا گیا **لا تغال فی الصَدُقات** مہر میں گرانی نہ ہونی چاہیے اس سے نقصانات ہوں گے بعد میں۔ بعض دفعہ اچھے رشتے آتے ہیں یعنی لڑکے اچھے ہیں اور مہر گراں رکھنے کا اندیشہ ہے تو وہ رشتے نکل جائیں گے اور......... اور کہیں ایسے بھی ہوگا کہ آپ نے تو مہر بڑھا دیا لیکن آپ کا جو دوسرا چھوٹا سگا بھائی ہے اس کی حیثیت وہ نہیں ہے اس کو اپنے ہاں شرمندگی محسوس ہوگی۔

غریب اور امیر ہر آدمی سنت پر عمل کر سکتا ہے :

تو شریعت مطہرہ میں وہ چیزیں قانون بنائی گئی ہیں یا اصول بنائے ہیں یا اُن باتوں کی تعلیم دی گئی ہے جو ہر ایک کے لیے قابلِ عمل ہوں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سونے کا تاج نہیں پہنا کیونکہ سنت پر چلنا بڑا مشکل ہو جاتا کیونکہ پھر سنت پر وہی چل سکتا جس کا سونے کا تاج ہوتا، تخت پر نہیں بیٹھے، پہرہ نہیں دلوایا، پہریدار نہیں کھڑے کیے گئے، زمین پر بیٹھے چٹائی پر بیٹھے اور زندگی گزاری ہے تو بہت سادگی سے **کان یلبس الخَشِن** موٹے کپڑے پہنتے تھے موٹا ہی کپڑا پسند فرمایا، کھانا اس طرح کہ جو آ گیا سامنے وہ آپ نے تناول فرمایا اور کبھی بھی رسول اللہ ﷺ نے کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ **ما عاب رسول اللّٰہ ﷺ طعاما قط ان اشتھاہ اکلہ والا ترکہ** اگر آپ کو اشتہا ہوتی تھی تو آپ کھا لیتے تھے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔ اب یہ الگ بات ہوئی کہ نہیں تناول فرماتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ کی حیات

پاک جو ہے وہ اتنی سادہ ہے کہ اُس پر غریب سے غریب آدمی عمل کرے تو وہ کر سکتا ہے اور اگر امیر اُس پر عمل کرے تو دُنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی، امیروں اور غریبوں میں کوئی فرق نہ ہونے پائے گا۔ کوئی انقلاب نہیں آئے گا کہ جس میں چھوٹے بڑے کا اتنا تفاوت ہو جائے کہ نیچے والے پسنے لگیں یا کمتر محسوس کرنے لگیں تو ان کی طبیعت اُبھرتی ہے اور وہ اُبھار انقلاب کا باعث بن جاتا ہے۔ اسلام میں یہ صورت ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں رہی لیکن پھر بھی یہی حال تھا کہ گھر میں ایک جگہ کھانے کو پوچھوایا کہا کہ نہیں ہے دوسری جگہ پوچھوایا جواب ملا کچھ نہیں ہے۔ کسی گھر میں کھانے کے لیے نہیں ہے، ہوتا یہ تھا کہ آیا اور آپ نے وہ بانٹ دیا۔

سونے کی تقسیم :

ایک دفعہ کہیں سے سونا آگیا تو وہ بانٹا آپ نے پھر عصر کی نماز پڑھی نماز پڑھتے ہی بس ایک دم آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے، جب تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ دیکھ رہے تھے کہ یہ کیا بات ہوئی ہے وجہ کیا ہوئی ہے خلافِ عادت جو کام آپ کریں تو وہ باعثِ تشویش ہوتا تھا صحابہ کرامؓ کے لیے تو آپ نے فرمایا کہ بات یوں ہوئی تھی میں تمہیں جانے کی وجہ بتاؤں میں دیکھ رہا ہوں کہ جیسے تم دریافت کرنا چاہتے ہو کہ وجہ کیا ہوئی تھی؟ تو وجہ یہ ہوئی تھی کہ میرے پاس ایک سونے کا ٹکڑا تھا وہ گھر میں رہ گیا تھا تو میں جا کر اُسے کہہ کر آیا ہوں کہ اُسے تقسیم کر دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ رات کو میرے پاس رہ جائے تو وہ میرے لیے باعثِ تشویش ہوگا کہ میں نے کیوں نہیں بانٹا۔ تو ایک مالدار آدمی اگر عمل کرنا چاہے سنت پر تو اس کے لیے جناب رسول اللہ ﷺ کا جو طریقہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد چیز دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے خرچ کرتے رہنا اور یہ ایسی چیز ہے کہ جو اسلام میں تقریباً عام رہی ہے۔

تیرہ سو سالہ اسلامی دور میں بدحالی نہیں آئی :

اور اسلام میں بدحالی نہیں آئی۔ یہ تیرہ سو سال کا جو عہد گزرا ہے ۱۳۳۰ھ تک تقریباً، یہ ترکی سلطنت رہی ہے اس میں بدحالی نہیں آنے پائی، اگر بدحالیاں آئیں ہوتیں تو پھر انقلابات آئے ہوتے۔ یہ انقلاب تو سازشوں سے آئے ہیں ہندوستان چلا گیا تو بعد میں برطانیہ نے یہاں پاؤں جما لیے اور یورپ کی تمام طاقتیں تُرکی کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں اور ایک عرصہ سے اسے ختم کرنا چاہتی تھیں اُنھوں نے پھر تدبیریں کیں اور اس طرح سے حکومتِ ترکیہ کو ختم کیا ورنہ یہ جتنی حکومتیں مصر، لیبیا اور سوڈان وغیرہ ہیں یہاں سب ترکی حکومت تھی۔

بعض اسلامی تعلیمات فطرت کا حصہ ہو گئیں :

تو آقائے نامدار ﷺ نے جو نظام دیا وہ مسلمانوں کی فطرت بن گیا چنانچہ خرچ مسلمان زیادہ کرتا ہے

بہ نسبت غیر مسلم کے ۔ یہ الگ بات ہے کہ اُسے فضول خرچی کی طرف لگا دیا جائے کسی غلط کام کے لیے ورنہ خرچ کرنے کا جہاں تک تعلق ہے وہ غیر مسلم سے زیادہ خرچ کرتا ہے ۔ زکوۃ اُس پر رکھ دی گئی فطرانہ اُس پر رکھ دیا گیا پھر پڑوس کا غریبوں کا خیال کرنا وغیرہ پھر ایک چیز فیاضی کی بھی چلی آرہی تھی بادشاہ بھی اپنے خزانے خالی کرتے رہتے تھے ۔ اور پھر رعایا میں بھی یہی ترتیب تھی کہ ہر بڑا چھوٹے کو دیتا تھا تو یہ ایک نظام ایسا چلا جو غیر محسوس طور پر بس فطرت بن گیا تو اس میں بدحالی کا اور ایسے تفاوت کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔

یہ بات بھی فطرت کا حصہ بن گئی :

ایک اور بات مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ کسی غیر مسلم کو نہیں مارنا جو ہمارے ہاں رہتا ہو اس کو نہیں مارنا ۔ اب آپ دیکھ لیں فرق یہاں کا اور ہندوستان کا اور اسپین کا ۔ اسپین میں انہوں نے کوئی مسلمان نہیں چھوڑا نسل کشی کی ہے ، ہندو ہندوستان میں نسل کشی کرتے ہیں یہ نہیں کہ قصوروار کو مارا گیا اسلام نے یہ بتلایا کہ قصوروار کو مارو جس کا قصور نہیں ہے اُسے نہیں مارنا ۔ اور اگر جنگ ہو رہی ہے اور لڑائی ہو رہی ہے تو بھی اُنھیں مارنا ہے جو لڑ سکتے ہیں ۔ بوڑھوں کو نہیں مارنا ، بچوں کو نہیں مارنا ، عورتوں کو نہیں مارنا ، معذوروں کو نہیں مارنا ، بیماروں کو نہیں مارنا ، عبادت گزاروں کو نہیں مارنا ، جو لڑ سکتے ہیں جوان ہیں بس اُنھیں مارنا ہے باقی کو نہیں ۔ تو ان کے ہاں یہ نہیں ہے بس نسل کشی ہے ۔ ہندوستان میں نسل کشی ہے ، بچوں کو دودھ پیتے بچوں کو عورتوں سے چھین کر مارا ہے اور اتنی دفعہ فساد ہوتے ہیں جب سے تقسیم ہوئی ہے ہند کی ، کہ جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور یہاں ہندو بس رہے ہیں آرام سے ، سندھ میں کوئی کچھ نہیں کہتا کبھی خبر بھی نہیں سُنی ہوگی فساد کی ، یہ بھی نہیں معلوم لوگوں کو کہ یہاں ہندو ہیں اور یہ قانون اسلام نے بتلایا کہ وہ ہمارے ذمہ ہیں جن کی جان کی بھی مال کی بھی حفاظت کرنا ہے اور اِنھیں کچھ نہیں کہنا اور یہ فطرت بن گئی مسلمان کی ۔

تو آقائے نامدار ﷺ نے مہر وغیرہ جو رکھے ہیں اور اُصول بنائے ہیں تو وہ نہیں بتائے کہ جن پر خاص لوگ یا بڑے لوگ عمل کر سکیں یا یہ فرما دیا ہو کہ بڑے لوگ جو ہیں وہ ایسے کریں ٹھاٹ باٹ کے ساتھ ان کے لیے اجازت دے دی گئی ہو اور جو چھوٹے لوگ ہیں اُن کو سادگی سے کرنے کو فرمایا ہو ، نہیں نہیں ، سب کو فرمایا سادگی سے کرو تب ہی یکسانیت رہ سکتی ہے جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں رئیسِ اعظم کھڑا ہے اور دوسرا چوکیدار کھڑا ہے چپڑاسی برابر کھڑا ہے ۔ تو اسی طریقہ پر تمام چیزیں رہنی چاہئیں ۔ یہ سعودی عرب یا دوسری ریاستیں جتنی بھی عرب ریاستیں ہیں ان سب میں (اس قسم کا) تکبر نہیں ملے گا یعنی بڑے سے بڑے آدمی کے پاس آپ بے تکلف جا سکتے ہیں وہ کھڑا بھی ہوگا وہ اچھی طرح ملے گا تو یہ اسلامی اخلاق ہیں تو بات یہ چل رہی تھی کہ انہوں نے (یعنی اُم سلیم نے) مہر ہی معاف کر دیا تھا یہ ابتدائے اسلام کی بات ہے ورنہ

مہر کا مسئلہ یہ ہے کہ مہر مثل ہو جائے گا اگر ذکر ہی نہیں کیا کسی نے ورنہ جتنا ذکر کیا گیا اتنا واجب ہو جائے گا اور اگر کوئی کہتا ہے مہر ہی نہ ہو تو یہ غلط ہے یہ نہیں ہوگا۔

جنتی خاتون :

آقائے نامدار ﷺ نے ان عورت کو جو اتنا بڑا درجہ رکھتی ہیں ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کو جنت میں دیکھا ہے۔

نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے :

اور رسول اللہ ﷺ کا خواب جو ہے وہ بھی وحی ہے۔ انبیاء کرام کا خواب وہ بھی وحی ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو بس وہی ذبح کر دیا اور اس پر اللہ نے یہ نہیں پُوچھا ان سے کہ یہ تم نے کیوں کیا بلکہ تعریف کی ان ھذا لھو البلاء المبین یہ بہت بڑی آزمائش ہے، دیکھا انہوں نے خواب تھا رای فی المنام تو خواب جو ہے انبیاء کرام کا وہ وحی ہے تو گویا رسول اللہ ﷺ کو یہ بتلایا گیا کہ یہ عورت جو ہیں یہ جنتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آگے کچھ کھڑ کھڑاہٹ سی سُنی جیسے کوئی چل پھر رہا ہو تو میں نے دیکھا اچانک تو وہ بلالؓ ہیں جواَب حضرت بلالؓ جو قابلِ ذکر بھی نہیں غلام ہیں رنگ بھی سیاہ لیکن اللہ کو پسند ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے گویا اُن کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ تو اسلام کسی کو کوئی درجہ نہیں دیتا، درجہ دیا ہے تو ایمان کو دیا ہے معرفت کو دیا ہے اور اسلام پر چلنے کو دیا ہے باقی کسی چیز کو کوئی درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں حاصل نہیں کلکم بنو آدم سب کے سب بنوآدم ہیں چاہے آقا ہے چاہے غلام اور پسند کرنے کا معیار یہ ہے ان اکرمکم عنداللہ اتقکم جس میں تقوٰی زیادہ ہے وہ خدا کے نزدیک زیادہ قابلِ حترام ہے اُس کا درجہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حضرات کا آخرت میں ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اختتامی دُعاء............

☆☆☆

حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ جدید ہر انگریزی مہینے کی پہلی اتوار کو ظہر کی نماز کے بعد بمقام 537-A فیصل ٹاؤن نزد جناح ہسپتال مستورات کو حدیث شریف کا درس دیتے ہیں۔ خواتین کو شرکت کی عام دعوت ہے۔ (ادارہ)

☆☆☆

سلسلہ نمبر ۶ قسط : ۱

"الحامد ٹرسٹ" نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دار العلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ و رفع درجاتہٗ

ولادت : ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء ۔ وفات : ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء

﴿ نظرِ ثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

نسب اور خاندانی حالات :

نسب : حضرت الحاج محمد عابد صاحب ابن عاشق علی بن قلندر بخش بن جان عالم بن محمد عالم بن سیّد محمد اسمٰعیل بن سیّد ابراہیم رحمہم اللہ۔ (تذکرہ ساداتِ رضویہ ص ۲۶ مرتبہ سیّد محبوب رضوی مرحوم طبع دوم۔ شائع کردہ علمی مرکز دیوبند)

سیّد ابراہیم وہ جد امجد ہیں جنہوں نے دیوبند میں قیام اختیار فرمایا۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :

سیّد محمد ابراہیم بن سعد اللہ بن محمود قلندر بن سیّد احمد بن فرزند علی بن وجیہ الدین بن علاء الدین بن سیّد احمد کبیر بن شہاب الدین بن حسین علی بن عبد الباسط بن ابو العباس بن اسحاق عندلیب المکی بن قاری حسین علی بن لطف اللہ بن تاج الدین بن حسین بن علاء الدین بن ابی طالب بن ناصر الدین بن نظام الدین حسین بن موسیٰ بن محمد الاعرج بن ابی عبد اللہ احمد بن موسیٰ المبرقع ابن امام محمد تقی ابن امام موسیٰ علی رضا ابن امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام محمد الباقر ابن امام

زین العابدین ابن امام ابی عبداللہ الحسین ابن سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت سرورکائنات محمد رسول اللہ ﷺ۔

اس خاندان کی ہندوستان میں آمد :

ساتویں صدی ہجری میں سیّد محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد میں سیّد حسین حِمص سے ترک وطن کر کے اُوَش میں وارد ہوئے۔ اُوَش فرغانہ کے علاقہ میں واقع ہے۔ ظہیرالدین بابر کا وطن تھا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (التوفی ۶۳۳ھ) کا وطن بھی یہی تھا۔ بابر نے تزکِ بابری میں تفصیل سے اُوَش کے حالات لکھے ہیں۔ (ترجمہ تزکِ بابری مطبوعہ دہلی ص۲ و ۳)۔

پھر سیّد حسینؒ فرغانہ سے ہندوستان تشریف لائے شیخ بہاء الدین زکریا التوفی ۶۶۱ھ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بحرِ زخّارؔ میں لکھا ہے :

سیّد حسین مع عیال و اطفال بدہلی آمد سلطان دُرودش را بس عزیز دانستہ خیلے خدمت سیّد بجا آورد سیّد حسین مرید خواجہ بہاء الدین زکریا بود۔	سیّد حسین مع اہل وعیال دہلی آئے بادشاہ نے ان کی تشریف آوری کو بہت ہی اچھا جانا سیّد صاحب کی بہت خدمت کی، سیّد حسین خواجہ بہاء الدین زکریا کے مرید تھے۔

سیّد حسین اپنے زمانے کے مشہور علماء مشائخ میں تھے متبحر عالم اور عارف کامل تھے تربیتِ روحانی کے ساتھ ساتھ علوم وفنون کا درس بھی دیتے تھے بہت سے لوگوں نے ان سے روحانی اور علمی فیض حاصل کیا یہ حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ التوفی ۶۹۰ھ کے ہم عصر اور خواجہ تاش تھے۔ سندھ کے قدیم شہر بھکر[۱] میں اقامت گزیں رہے اور وہیں ۶۹۵ھ میں بعہدِ سلطان جلال الدین خلجی وفات پائی۔ (تذکرہ ساداتِ رضویہ دیوبند ص۱۴ از نزہۃ الخواطر ص۱۴۳ ج۱)

سیّد حسین کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ اپنے دو خوردسال بچوں شہاب الدین وغیرہ کو لے کر حِمص واپس چلی گئیں وہاں ان کے بھائی نصیر الدین الانصاری بڑی ریاست کے مالک تھے وہ اولاد سے محروم تھے انہوں نے اپنے بھانجوں کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے کر ریاست ان کے سپرد کر دی تقریباً دو سو سال بعد شہاب الدین کی ساتویں پشت میں سیّد محمود قلندر حِمص سے ہندوستان آئے سیّد وجیہ الدین اشرف نے بحرزخار میں لکھا ہے :

---

۱ بھکر سندھ کے معروف شہر سکھر کے مضافات میں ہے۔ وہ اب ایک چھوٹی سی بستی ہے۔

حضرت شیخ محمود قلندر با دو فرزند خود از حمص بجیلان رفت و بخدمت سیّد محی علی الجیلانی بخانوادہا قادریہ بیعت نمود۔

حضرت شیخ محمود قلندر اپنے دونوں فرزندوں سمیت حمص سے گیلان گئے اور سیّد محی علی جیلانی سے خاندانِ قادریہ میں بیعت ہوئے۔

بحرزخار مصنفہ سیّد وجیہہ الدین اشرف ہندوستان کے علماء ومشائخ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب ہے۔ یہ تذکرہ بہت کمیاب ہے اس میں پانچ ہزار مشائخ واولیاء کے حالات درج ہیں۔ مصنف بحرزخار شیخ محمود قلندر کے اخلاف میں سے ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۰۳ھ کی تصنیف ہے یہ لکھنؤ میں آصف الدولہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ مصنف بحرزخار کا معمول ہے کہ وہ علماء ومشائخ کے حالات صرف چند چند سطروں میں لکھتے ہیں مگر شیخ محمود قلندر کے حالات انہوں نے آٹھ صفحات ص ۱۵۷۱ الغایۃ ص ۱۵۷۸ میں تفصیل سے لکھے ہیں یہ کتاب ابھی طبع نہیں ہوئی ہے اس کے قلمی نسخے بہت کمیاب ہیں یہاں جس نسخے کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ فرنگی محل لکھنؤ کا نسخہ ہے۔ مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی استاذ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے از راہ کرم بحرِ زخار سے شیخ محمود قلندر کے یہ حالات نقل کر کے عنایت فرمائے اس کتاب کی عظمت واستناد کے لیے محض یہ بتادینا کافی ہوگا کہ ہندوپاک کے علماء ومشائخ کے حالات میں عربی زبان کا نہایت مستند تذکرہ "نزھۃ الخواطر" مولفہ مولانا حکیم عبدالحی لکھنوی جو آٹھ جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے چھپا ہے. بحرزخار اس کے بنیادی ماٗخذ میں شامل ہے نزھۃ الخواطر میں جابجا اس تذکرہ کے حوالے نقل کیے گئے ہیں. بحرزخار کا جو مخطوطہ فرنگی محل میں ہے اس کے صفحات کی تعداد ۲۸۷۲ ہے۔ تذکرہ ساداتِ رضویہ ص ۴۴ مع حاشیہ۔ صاحب بحرِ زخار نے آگے چل کر لکھا ہے :

حضرت شیخ محمود قلندر بانعمت وخلافت از جیلان بادشاہ پیر بےنظیر خود مع ہر دو فرزنداں بہ ہند آمدہ وسیر کناں لکھنؤ رسید برکنار شہر گوشہ گزید حضرت حاجی سیّد ابراہیم را اجازت زیارت مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کردہ رخصت نمود شیخ شاہ محمد را درخدمت خود داشتہ بعبادت مشغول شد۔

حضرت شیخ محمود قلندر جیلان سے نعمت وخلافت حاصل کر کے اپنے بےنظیر پیر کے اشارہ سے اپنے دونوں فرزندوں سمیت ہندوستان آگئے اور چلتے چلتے لکھنؤ پہنچے شہر کے کنارہ ایک گوشہ اختیار فرمالیا حضرت حاجی سیّد ابراہیم کو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی اجازت دے کر رخصت کیا شیخ شاہ محمد کو اپنی خدمت میں رکھ کر عبادت میں مشغول ہوگئے۔

شیخ محمود قلندر کو عبادت و ریاضت میں غیر معمولی استغراق تھا۔ بحر زخار میں حجۃ العارفین کے حوالہ سے لکھا ہے :

روزے شیخ محمود قلندر باستغراق بود کہ باد تند و باراں بے حساب دررسید وہمہ برشیخ گزشت اورا ازیں ہر دو مقدمہ اصلا خبر نہ شد وقت عشاء کہ اقامت کرد مردم از بادو باراں خبر کردند۔ وخوارق عادات ہر ساعت وہر آن مثل خوارہ ازفیض مزارش جاری است۔

ایک دن شیخ محمود قلندر استغراق کی کیفیت میں تھے کہ تیز ہوا اور بے حساب بارش آئی اور سب کچھ شیخ پر گزر گیا انہیں ہر دو گزری ہوئی باتوں کی بالکل خبر نہیں ہوئی عشاء کے وقت جب نماز کھڑی ہوئی تو لوگوں نے انہیں بادو باراں کی خبر دی ۔اور خوارق عادات ہر لحہ اور ہر ساعت ان کے مزار کے فیض سے فوارہ کی طرح جاری ہیں۔

سلطان سکندر لودھی (۸۹۴ھ/ ۱۴۸۸ء-۹۲۳ھ/ ۱۵۱۷ء) ۸۹۷ھ/ ۱۴۹۱ء میں بنگال کے ایک سفر کے دوران شیخ محمود قلندر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کمال نیاز مندی کے ساتھ پیش آیا۔ بحر زخار میں ہے :

بادشاہ مذکورہ (سکندر لودھی) دروقت سفر بنگالہ کہ بہ لکھنؤ رسید صحبت شیخ محمود قلندر دریافت وبکمال نیاز مندی پیش آمد ۔ ودیگر تواضع او شیخ مقبول نداشت مگر مسجدے کہ ہنوز بدائرہ شیخ است بنا کردۂ اوست۔

بادشاہ مذکور (سکندر لودھی) بنگال کے سفر کے دنوں جب لکھنؤ پہنچے تو شیخ محمود قلندر کی ملاقات کو پوچھا اور کمالِ نیاز مندی سے پیش آیا۔ ان کی اور کسی پیشکش کو تو انہوں نے قبول نہیں فرمایا لیکن ایک مسجد جواب بھی دائرہ شیخ (احاطہ) میں ہے ان کی بنائی ہوئی ہے۔

ہمایوں بادشاہ اور شیر شاہ سوری کے مابین جنگ میں شیخ محمود قلندر ہمایوں کے طرف دار تھے ہمایوں کی شکست کے بعد جب شیر شاہ سوری دہلی کے تخت پر بیٹھا تو شیخ محمود قلندر کے درپے آزار ہوا، شیخ لکھنو سے جونپور چلے گئے وہاں شیخ عبدالسلام نبیرۂ قطب الاقطاب قطب الدین بینادِلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور تیس سال تک ریاضت شاقہ اور مجاہدے میں مشغول رہے، بحر زخار میں ہے :

در طریقت تابع او شد شہرت عظیم یافت و کار را بزودی تمام کرد واز مشرب قلندریہ ذوقہا بروجہ حاصل یافت خرقۂ خلافت و عنایات نعمت گشتہ ملقب بلقب قلندر ۲؎ گشت وسی سال ریاضت شاقہ کرد۔

طریقت میں ان کے پیروکار ہو گئے عظیم شہرت پائی اور کار سلوک بہت جلد ہی مکمل کرلیا اور مشرب قلندریہ سے خاص ذوق بروجہ کمال حاصل کیا خرقۂ خلافت اور عنایات کا انعام پایا (اس کے بعد) انہیں قلندر کے لقب سے یاد کیا جانے لگا ان کا قلندر لقب ہو گیا اور تیس سال انہوں نے ریاضتِ شاقہ کی۔

لکھنو میں ان سے بڑا فیض جاری ہوا اور کثرت سے لوگ ان سے مستفیض ہوئے، سیّد وجیہہ الدین لکھتے ہیں

از اولیائے اعظم بود مشائخ وقت صحبت او را مثل تریاقِ اکبر و کبریت احمری دانستہ وبخدمتش می گزرانیدند وبمراد ومطالب می رسیدند بلکہ فیوض لانہایت میسر حال آنہا می شد۔ ہم چناں در مہمات او نیز در ہر طبقہ صاحب دل وحق طلب مجاور ماندہ اند قدوۃ العارفین فرمودے آں قدر فیض صوری ومعنوی کہ از مزار حضرت قلندر جاری است از دیگر مزار اولیائے ایں شہر یافتہ نمی شود ۳؎

اولیاء کبار میں سے تھے مشائخ زمانہ ان کی صحبت کو تریاقِ اکبر اور کبریت احمر سمجھتے تھے اور ان کی خدمت میں اپنی معروضات پہنچاتے اور مراد ومطالب کو پہنچتے بلکہ بے انتہا فیوض ان کے شاملِ حال ہو جاتے اسی طرح اہم اہم چیزوں میں وہ بھی ہر طبقہ میں اہلِ حق صاحب لوگوں کے ساتھ رہے ہیں قدوۃ العارفین (شاہ عبدالغنی قدوائی) فرماتے تھے کہ جس قدر ظاہری اور باطنی فیض حضرت قلندرؒ کے مزار سے جاری ہے اس شہر کے اور اولیاء کرام کے مزارات سے نہیں ہے۔

۲؎ قلندر۔ فارسی زبان میں باخدا، تنہائی پسند گوشہ نشین، آزاد۔ وہ درویش جو دنیاوی تعلقات چھوڑ کر اور رُوحانی ترقی کر کے خدا کی ذات میں گم ہو گیا ہو۔ (از فیروز اللغات فارسی)

۳؎ بحرِ زخار کے جو اقتباسات اُوپر دیئے گئے ہیں، یہ سب فرنگی محل لکھنؤ کے مخطوطے کے صفحات ۱۵۷۱ تا ۱۵۷۸ سے ماخوذ ہیں۔ بحرِ زخار کا یہ مخطوطہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دینیات کے لیکچرار جناب مولانا مفتی محمد رضا صاحب انصاری فرنگی محلی کی ملکیت میں ہے۔

شیخ محمود قلندرؒ نے طویل عمر پائی. بحر زخار کے الفاظ ہیں "مسنِ دراز یافتہ" ۲۱ رشعبان ۹۸۶ھ کو لکھنؤ میں وفات پائی. سلطان سکندر لودھی کی تعمیر کرائی ہوئی مسجدِ دائرہ کے صحن میں دفن کیا گیا۔ "ہلدہ خالی شد" سے سن وفات نکلتا ہے۔

شیخ محمود قلندرؒ کا مزار لکھنؤ میں دریائے گومتی کے کنارے ایک بلند جگہ پر واقع ہے یہ جگہ شیخ کے پوتے شاہ محمدؒ (وفات ۱۰۸۵ھ) کے نام سے منسوب ہے اور "ٹیلہ پیر محمد" کہلاتی ہے، لکھنؤ میں گومتی کے کنارے یہ بڑا پُر فضا مقام ہے۔ سلطان سکندر لودھی نے شیخ کے لیے جو مسجد تعمیر کروائی تھی وہ اب تک موجود ہے اورنگزیب کے عہد میں اودھ کے صوبیدار فدائی خاں نے مسجد میں مزید توسیع کی، اس لیے یہ "عالمگیری مسجد" کے نام سے مشہور ہوگئی ہے۔

سیّد محبوب رضوی لکھتے ہیں :

تذکرہ علمائے ہند مؤلفہ مولوی رحمٰن علی میں شیخ شاہ محمدؒ کا ذکر کچھ اس انداز سے کیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمدؒ کے علاوہ کوئی دوسرے بزرگ بھی اسی نام سے موسوم تھے۔ میرے نزدیک اس بارے میں بحرِ زخار کا بیان زیادہ مستند ہے۔ یہ کتاب تذکرہ سے مقدم بھی ہے اور خود اس کے مصنف وجیہہ الدین اشرف حضرت شیخ محمود قلندرؒ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ تذکرہ علمائے ہند کے مؤلف سے شیخ محمد کی شخصیت کے سمجھنے میں فروگذاشت ہوگئی ہے۔ مفتی محمد رضا صاحب انصاری کی تحقیق بھی یہی ہے کہ ٹیلہ پیر محمد شیخ محمود قلندرؒ کے فرزند شاہ پیر محمد کی جانب منسوب ہے۔ [ا]

بحرِ زخار کے مؤلف ان ہی شاہ محمد کی اولاد میں ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے :

وجیہہ الدین اشرف ابن نجم الدین بن بہاء الدین بن عبدالحکیم بن شیخ حضرت ابن عبدالصمد بن شاہ محمد ابن شیخ محمود قلندر رحمہم اللہ (ماخوذ از تذکرۂ سادات رضویہ دیوبند ص ۶)

مفتاح العارفین میں بھی شیخ محمود قلندر کا ذکر ملتا ہے لکھا ہے کہ :

شیخ محمود قلندر حنفی مذہب شطاری مشرب از لکھنؤ کہ از بقاع ہندست بود صاحب کشف وکرامات بودند وفات شیخ دس ہزار ونہ ہجری بود۔	شیخ محمود قلندر حنفی مذہب شطاری مشرب لکھنؤ کے رہنے والے تھے جو ہندوستان کے مقامات میں سے (ایک جگہ) ہے آپ صاحبِ کشف وکرامات تھے شیخ کی وفات سن ایک ہزار نو میں ہوئی۔

(تاریخ دیوبند ص ۹۷ بحوالۂ مفتاح العارفین مصنفہ شیخ عبدالفتاح ذکر مشائخ الماۃ الحادی عشر مخطوطہ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند۔)

[ا] ملاحظہ ہو ضمیمہ روزنامہ قومی آواز لکھنؤ ص ۲۔ مورخہ ۱۸ رمارچ ۱۹۷۳ء

سیّد محمود قلندرؒ کے معاصر مورخ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں :

شیخ محمود قلندر لکھنوی از خلفائے شیخ محمد غوث است صاحب دعوات اسماء بود در ریاضت وفقر وتوکل شانے داشت وصاحب بذل وایثار بود در لکھنؤ آمدہ بود وخیلے از مردم شرف صحبت او یافتہ رتبہ ارشاد یافتند و ہماں جا درگذشت ۔

شیخ محمود قلندر لکھنوی شیخ محمد غوث کے خلفاء میں سے ہیں اسماء الٰہیہ کی دعوتوں کے عامل تھے ۔ ریاضت فقر توکل میں خاص شان رکھتے تھے اور فیاض طبع اور صاحب ایثار تھے ۔ لکھنؤ تشریف لے آئے تھے اور بہت سے لوگوں نے ان کے شرف صحبت سے مرتبہ ارشاد حاصل کیا آپ نے وہیں (لکھنؤ ہی میں) وفات پائی ۔

(تاریخ دیوبند ص ٩٦ و تذکرہ سادات رضویہ ص ٧) از منتخب التواریخ عبدالقادر بدایونی ص ٢٨٦ ۔

شیخ محمد غوث گوالیاری سادات نیشاپور سے تھے شیخ حمید شطاری سے بیعت تھے جن کا سلسلہ صرف ایک واسطہ سے صاحب سلسلۂ شطاریہ شیخ عبداللہ شطار تک پہنچتا ہے شیخ محمد غوث مدت تک قلعہ کالنجر میں ریاضت ومجاہدہ میں مصروف رہے ۔ مراتب عالیہ کے ساتھ دنیاوی عزت ودولت کے بھی مالک تھے ہمایوں بادشاہ کو ان سے بڑی ارادت تھی ۔ شیخ دعوت اسماء الٰہیہ میں زبردست مقام رکھتے تھے ۔ اورادو اعمال میں اورادِ غوثیہ اور جواہر خمسہ آپ کی مشہور کتابیں ہیں ۔ شیخ وجیہ الدین گجراتی جیسے جامع کمالات عالم کو شیخ محمد غوثؒ سے ارادت تھی ۔ شیخ محمود قلندر شیخ محمد غوث کے خلفاء میں تھے شیخ وجیہ الدین گجراتی کے معاصر اور پیر بھائی تھے دونوں نے شیخ محمد غوث سے اکتساب فیض کیا تھا شیخ محمد غوثؒ نے ٩٧٠ھ/١٥٦٢ء میں وفات پائی ۔ گوالیار میں ان کا مزار زیارت گاہ خاص وعام ہے ۔ (حاشیہ تاریخ دیوبند ص ٩٦)

شطاری سلسلہ کے بانی شیخ عبداللہ شطار تھے ان کے متوسلین میں بعض نہایت بااثر شخصیتیں گزری ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کو خوب ترقی دی ، صوفیاء کے اس مسلک کی ایک خاص بات یہ ہے کہ شطاری مشائخ نے ہندوؤں کے ساتھ نہ صرف نہایت اچھے مراسم قائم کیے بلکہ ان کے مذہبی افکار ونظریات کو ہمدردانہ سمجھنے کی کوشش کی ۔ اس کی ایک اہم مثال شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی تصنیف "بحر الحیات" ، جس میں ہندوؤں کے مذہبی فکر کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اس دور میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک دوسرے کو سمجھنے کا شوق بڑھ رہا تھا ۔ ہندوؤں نے اول اول فارسی زبان اسی زمانے میں پڑھنی شروع کی ۔ ایک طرف رزق اللہ مشتاقی اور میاں طٰہٰ وغیرہ ہندوؤں کے علوم کے ماہرین میں شمار کیے جاتے ہیں تو دوسری طرف ایک ہندو برہمن کے اسلامی علوم پر عبور کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کو درس دیتا تھا ۔ شیخ رکن الدین گنگوہیؒ ایک ہندو جوگی

...سے اسرارِ توحید معلوم کرتے تھے۔ (صبح گلشن ص ۴۱۳ واقعات مشتاقی ص ۱۳۳ منتخب التواریخ ص ۳۲۳ لطائف ... ص ۴۷ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ بحوالہ سلاطین ہند کے مذہبی رجحانات مصنفہ خلیق احمد نظامی ص ۴۵۱ و ۴۵۸۔)

شیخ رزق اللہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے چچا تھے عربی فارسی کے علاوہ سنسکرت کے بھی عالم تھے ہندوؤں کے ... پر مہارت کامل حاصل تھی۔ ہندی میں راجن اور فارسی میں مشتاقی تخلص کرتے تھے۔ (صبح گلشن ص ۴۱۳ بحوالہ سلاطین ... کے مذہبی رجحانات ص ۴۵۸۔ تاریخ دیوبند ص ۹۸ حاشیہ)

سیّد محمود قلندرؒ کو میر طیب بلگرامی سے بھی خرقۂ خلافت حاصل تھا، بحرِ زخار میں ہے کہ :

"شیخ محمود قلندر خرقۂ خلافت از سیّد طیّب یافتہ"

میر سیّد طیّب بلگرامی کی نسبت میر غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ اپنے والد بزرگوار میر عبدالواحد کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ وہ مرتبہ قطبیت وابدالیت اور غوثیت پر فائز تھے اور کثرت عبادات میں گویا امام زین العابدین تھے علوم ظاہری میں بھی یگانہ روزگار تھے۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ ان کے فضل وکمال کے بڑے معترف تھے اور مشکل علمی مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے نہایت متبع سنت تھے عمر بھر میں کوئی بات خلافِ سنت ان سے سرزد نہیں ہوئی ان کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اگر کسی کو ائمہ سلف یا فرشتے کی زیارت کرنی ہو تو وہ میر سید طیّب کی زیارت کرلے۔ ان سے بے شمار کرامتیں ظاہر ہوئیں ۱۰۲۲ھ/ ۱۶۱۵ء میں وفات پائی، بلگرام میں اپنے والد کے مرقد کے پہلو میں ان کا مزار ہے۔ (تذکرۂ سادات رضویہ ص ۸ از ماثر الکرام مصنفہ میر غلام علی آزاد بلگرامی جلد اول ص ۴۷ تا ۵۱ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء)۔

شیخ محمود قلندرؒ کے خلفاء میں ایک بزرگ شیخ دانیال بنارسیؒ (وفات ۱۰۱۵ھ/ ۱۶۰۶ء) کے حالات تذکرۂ مشائخ بنارس میں ملتے ہیں۔ لکھا ہے کہ اپنے زمانہ کے بلند مرتبہ مشائخ میں تھے بنارس کی مخلوق کو ایک عرصہ تک فائدہ پہنچایا سارا شہر ان کی ولایت کا معتقد تھا۔ بحرؔ زخار کے مصنف نے تحفۃ الابرار کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ محمد محمود قلندر کے خلفاء میں سے تھے۔ (تاریخ دیوبند حاشیہ ص ۹۹ بحوالہ تذکرہ مشائخ بنارس مؤلفہ مولانا عبدالسلام ص ۱۵ و ۱۶)۔ (جاری ہے)

❀❀❀

بانی و مہتمم اول دارالعلوم دیوبند حضرت اقدس حاجی سیّد عابد صاحبؒ پر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ نے دو مضمون تحریر فرمائے تھے ایک مختصر تھا جو دو قسطوں میں گزشتہ سال اکتوبر رنومبر کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے اب دوسرے تفصیلی مضمون کی پہلی قسط قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

❀❀❀

قربانی

﴿ فخر الاماثل حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴾

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماعمل ابن ادم من عمل یوم النحر احبّ الی اللہ من اھراق الدم وانہ لیاتی یوم القیٰمۃ بقرونھا واشعارھا واظلافھا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبو بھا نفساً.

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عمل بقرعید کے دن خدا تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ عزیز نہیں اور وہ قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں اور پاؤں اور کھروں سمیت آوے گی۔ اور بے شک خون قربانی کا زمیں پر گرنے سے پہلے ہی جناب الٰہی میں مقبول ہو جاتا ہے پس خوش کرو اس قربانی کے ساتھ اپنا دل۔

محترم بزرگو! یہ حدیث جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے تلاوت کی ہے قربانی کے احکام پر مشتمل ہے۔ جو اس وقت تقریر اور جلسہ کا موضوع ہے۔ تقریر تو مختصر ہوگی اس لیے کہ اول تو مسئلہ جزوی ہے اور جزئیات میں تفصیل نہیں ہوتی۔ کیونکہ بسط و تفصیل تو اُصول میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ ایک عام مسئلہ ہے اور اس سے کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جو واقف نہ ہو۔ قربانی کا عمل کوئی حال کا عمل نہیں بلکہ صدیوں سے چلا آتا ہے اس لیے بھی اس میں تفصیل کی ضرورت نہیں نہ تو نفس مسئلہ میں تفصیل کی گنجائش ہے اور نہ اس کے عام ہونے کی وجہ سے تفصیل کی ضرورت ہے۔

مسئلے کی شرح سے پہلے ایک اُصول سمجھ لیجیے اور یہ اُصول جس طرح تکوینی ہے اسی طرح تشریعی بھی ہے۔ وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس کائنات کا ذرہ ذرہ دو چیزوں سے ملا کر بنایا ہے، ایک رُوح، ایک جسم۔ یعنی ہر چیز کی ایک صورت ہے، ایک اس کی حقیقت، ایک اس کی ہیئت ہے اور ایک اس کی ماہیت ہے یا یوں کہیے کہ ایک اس کا ظاہری حصہ ہے اور ایک باطنی۔ غرض تمام انسان کل حیوانات، نباتات، جمادات کی جہاں ایک صورت ہے وہاں اس کی ایک حقیقت بھی ہے۔ ایک اس کا بدن بھی ہے اور ایک اس کی رُوح بھی ہے اور ہر بدن میں خدا تعالیٰ نے اس کے مناسب روح ڈالی ہے جب حق تعالیٰ کی توجہ کائنات کی طاقتوں اور بدن بنانے کی طرف متوجہ ہوئی تو یہی اصول مدِ نظر تھا۔ سب سے پہلے انسان ہی کو لیجیے کہ اول انسان کا بدن تیار کیا جاتا ہے۔ جس کی ابتداء نطفہ یعنی ایک گندے قطرے سے ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے :

ولقد خلقنا الانسان من سُلٰلةٍ من طينٍ ثمّ جعلناهُ نُطفةً في قرارٍ مكينٍ ثمّ خلقنا النُطفة علقةً فخلقنا العلقة مضغةً فخلقنا المضغة عظاماً فكسونا العظام لحمًا ثمّ انشاناهُ خلقاً آخر فتبارک اللّٰه احسنُ الخالقين.

یعنی ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ یعنی گندے قطرے سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا۔ پھر ہم نے اس لوتھڑے کو بوٹی بنادیا۔ پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنادیا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا۔ پھر ہم نے ان کو ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

تو رُوح ڈالنے سے پہلے ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے جس کی تیاری میں زمین کی قوتیں بھی متوجہ ہوتی ہیں، آسمان کی بھی آفتاب کی بھی طاقتیں متوجہ ہوتی ہیں۔ اور ہواؤں کی بھی، غرض جب کائنات کی ساری قوتیں مل کر ڈھانچہ تیار کر لیتی ہیں تو اس میں پھر رُوح ڈال دی جاتی ہے یہی صورت سارے جمادات، حیوانات اور نباتات کی ہے۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اس کائنات کی کوئی بھی چیز باقی نہیں رہ سکتی جب اس کا بدن اور رُوح ملے ہوئے نہ ہوں گویا بدن کی بقاء موقوف ہے رُوح پر، اور روح کی بقاء بدن پر۔ اگر اپنے بدن کو توڑ پھوڑ کر خستہ خراب کر دیا یا وہ خود ہی قدرتی طور پر خراب ہو گیا اور اس میں سکت باقی نہ رہی تو پھر اس میں روح نہیں ٹھہراتی بلکہ پرواز کر جاتی ہے اس لیے کہ بدن ہی رُوح کو سنبھالے رکھتا ہے۔ مثلاً انسان میں اگر رُوح ہے تو وہ انسان ہے ورنہ لاشہ ہے جو بیکار ہے۔ جس طرح مجموعہ بدن کے لیے مجموعہ رُوح ہے اسی طرح بدن کے ہر ہر جزو کی ایک روح ہے جو اسی جزو کے ساتھ رہ سکتی ہے اگر اس جزو کو ختم کر دیا جائے تو یہ رُوح بھی نہ رہے گی، یہ نہ ہوگا کہ بدن کے ایک جزو کو ختم کر دیں تو اس کی روح کسی دوسرے جزو میں پہنچ جائے مثلاً آنکھ ہے اس کی رُوح قوتِ بینائی ہے اگر آنکھ پھوڑ دی جائے تو یہ نہیں ہوتا کہ دیکھنے کی قوت مثلاً ناک میں آجائے بلکہ یہ قوت باقی ہی نہیں رہتی۔ اسی طرح ناک ہے اس میں سونگھنے کی قوت ہے وغیرہ۔

غرضیکہ خداوند تعالیٰ نے جس قدر قویٰ پیدا کیے ہیں ان میں قوت اور رُوح بھی پیدا کر دی ہے اور یہ دونوں مل کر کائنات کا حصہ بنتے ہیں۔ اگر دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے تو اسی حقیقت کو ''موت'' کہتے ہیں اور اس حقیقت سے کائنات کی تمام اشیاء ختم ہو جاتی ہیں۔

ایک دُوسرا اُصول اور سمجھ لیجیے جو اسی سے متعلق ہے کہ بدن کے اندر جو قوتیں چھپی ہوئی ہیں ان کی پہچان ان

ابدان ہی کے ذریعے کی جاتی ہے۔ مثلاً قوت بینائی کی شناخت آنکھ سے کی جاتی ہے اور قوت سماعت کی کان سے۔ غرض یہ صورتیں ان قوتوں کے تعارف کا ایک ذریعہ ہیں۔ اگر یہ صورتیں نہ ہوں تو یہ تعارف ختم ہو جائے۔ اس اصول کا حاصل یہ ہوا کہ بدن ذریعہ ہے رُوح کی پہچان کا۔

اب تیسرا اُصول اور سمجھ لیجیے کہ اگر آپ رُوح تک کوئی اثر پہچانا چاہیں تو وہ بدن ہی کے ذریعے پہنچ سکتا ہے۔ اس عالم میں براہ راست رُوح کو متاثر کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مثلاً اگر آپ رُوح پر گرمی کا اثر کرنا چاہیں تو بدن کو آگ کے سامنے لے جائیں، جب پہلے بدن گرم ہو جائے گا اُس کے بعد رُوح کو گرمی پہنچے گی۔ اور اگر ٹھنڈک پہنچانا چاہیں تو آپ بدن پر پانی ڈالیں گے یا اس پر برف ملیں گے یا وضو کریں گے وغیرہ، غرض ہر تاثیر کے لیے بدن ذریعہ ہے، بغیر بدن کے اثرات نہیں پہنچ سکتے۔

تین اُصول :

تو اب تین اُصول معلوم ہوئے کہ بدن سے تین کام لیے جاتے ہیں۔ اول رُوح کے قرار و قیام کا، دوسرے رُوح کے تعارف کا اور پہچان کا اور تیسرے تاثیر کا اور یہ تینوں باتیں اس قدر ظاہر ہیں کہ ان پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور یہ تینوں اُصول جس طرح تکوینی ہیں اسی طرح تشریعی بھی ہیں۔ یعنی اعمال شرعیہ میں بھی ایک صورت ہے ایک رُوح اور بغیر صورت کے رُوح کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر رُوح تک کوئی اثر پہچانا چاہیں تو وہ صورت ہی کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کی مثالوں سے شریعت بھری پڑی ہے۔

مثال کے طور پر وضو کو لیجیے کہ اس کی ایک صورت ہے اور ایک رُوح، اس کی صورت تو وہ خاص ہیئت اور افعال ہیں جو انسان وضو کرنے کے وقت اختیار کرتا ہے یعنی ایک خاص طرح سے بیٹھ کر اعضاء کا دھونا وغیرہ اور یہی ہیئت اسکے تعارف کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ جب آپ وضو کر رہے ہوں تو ہر شخص آپ کو دیکھ کر پہچان لے گا کہ آپ وضو کر رہے ہیں، کھانا نہیں کھا رہے، کیونکہ کھانا کھانے کی ہیئت اور ہے۔ اور ایک اُس کی (وضو کی) رُوح ہے یعنی طہارت حاصل کرنا تاکہ انسان دربار الٰہی میں حاضری کے قابل ہو سکے۔ اور ایک اس کی (وضو کی) تاثیر ہے یعنی وہ خاص قسم کا انشراح جو انسان کے قلب میں وضو کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ طہارت اور انشرح بغیر وضو کی صورت اختیار کیے کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح غسل کی ایک صورت ہے یعنی تمام جسم کو دھونا اور ایک اس کی روح ہے یعنی طہارت اور صفائی اور اس کی تاثیر فرح وانبساط ہے۔ اب اگر کوئی شخص تمام عمر غسل نہ کرے تو اس کو فرح وانبساط کی وہ خاص کیفیت کبھی بھی نصیب نہ ہوگی۔

الغرض ہر چیز کی رُوح حاصل کرنے کے لیے اس کی صورت کا اختیار کرنا ضروری ہے۔اسی طرح آپ نماز کو لیجیے کہ اس کی صورت، نیت باندھ کر کھڑا ہونا اور رکوع وسجود وغیرہ ادا کرنا ہے اور اس کی رُوح خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا اور اپنی عبدیت اور بندگی کا اظہار کرنا ہے تو اگر آپ نماز کی ہیئت اختیار نہ کریں تو بندگی کی یہ خاص صورت کبھی بھی حاصل نہ ہوگی۔اسی طرح زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ عبادات ہیں کہ ہر ایک کی رُوح اور صورت ہے۔

تو یہ جو "قربانی" ہے اس کی بھی ایک صورت ہے اور ایک رُوح۔صورت تو جانور کا ذبح کرنا ہے اور اس کی حقیقت ایثارِ نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے جو تقرب الی اللہ ہے۔تو ظاہر ہے کہ یہ روح بغیر جانور کو ذبح کیے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ ہر صورت میں اس کے مطابق رُوح ڈالی جاتی ہے۔نماز میں نماز کی رُوح، زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی رُوح اور قربانی میں قربانی کی رُوح ڈالی جاتی ہے۔غرض خدا تعالیٰ نے اس کی جو صورت مقرر کر دی ہے وہی اختیار کرنا پڑے گی، تب وہ رُوح اس میں ڈالی جائیگی۔اگر وہ کسی چیز کی قربانی طلب کریں تو قربانی دینی ہوگی۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون.	تم خیر کامل کبھی نہ حاصل کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو گے۔

اور محبوب چیز مال ہوتا ہے، مال سے بھی زیادہ جانور عزیز ہوتا ہے کیونکہ جاندار ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔کیونکہ اگر بے جان چیز ضائع ہو جائے تو آدمی دوسری گھڑ کر بنا سکتا ہے۔بخلاف جاندار کے اگر فنا ہو گیا تو دوسرا نہیں ملتا اور یہ مال تو ایسی چیز ہے کہ فنا ہو کر ہی نفع پہنچاتا ہے۔مثلاً اگر کسی کے پاس ایک کروڑ روپیہ رکھا ہوا ہے تو وہ بے کار ہے، اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کو خرچ نہ کر لے۔تو جب دنیوی منافع اس کو خرچ کیے بغیر نہیں مل سکتا تو "رضائے حق" جو اعلیٰ ترین نفع ہے وہ کیسے بغیر محبوبات کی قربانی کے حاصل ہو سکتا ہے اور محبوبات کیا ہیں؟ جان و مال، اولاد و آبرو اور غیرت وغیرہ۔چنانچہ ارشاد ہے۔

ان اللّٰہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنة.	بیشک اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کی جانوں اور مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

غرض ان میں سے آپ کو ہر چیز لٹانی ہوگی تب کہیں بندگی کا اظہار ہوگا۔درحقیقت جنت تو ایمان کے بدلے میں ملے گی اور اعمال تو ایمان کی شناخت کا ذریعہ ہیں۔جیسے اگر سونا خریدا جائے تو اس کو کسوٹی پر گھس کر دیکھا جاتا ہے اگر کھرا ہے تو اس کی قیمت ادا کرتے ہیں ورنہ نہیں تو اس جگہ قیمت سونے کی ہوتی ہے ان لکیروں کی نہیں ہوتی جو کسوٹی پر چڑھ جاتی ہیں۔

بس اسی طرح آخرت کے بازار میں جنت کے عوض میں ایمان کی قیمت ادا کرنی ہوگی اور ہمارے یہ اعمال ان لکیروں کی طرح ہمارے ایمان کی پختگی کی علامت ہیں اس لیے جنت حاصل کرنے کی غرض سے ہمیں محبوباتِ نفس کو قربان کرنا لازمی

ہے۔اگر مال خرچ کرنے کا حکم ہو تو جان نثار کرو۔عزت کی ضرورت ہو تو وہ بھی قربان کرو، یہی عشق کی پختگی کی علامت ہے۔

ایک صحابی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ "یارسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "سوچ کر کہو کیا کہتے ہو؟" انہوں نے پھر یہی عرض کیا۔ "مجھے آپ سے محبت ہے"۔اور آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ "سوچ کر کہو کیا کہتے ہو"۔انہوں نے تیسری بار بھی عرض کیا۔"مجھے آپ سے محبت ہے" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تیار ہو جاؤ مصیبتیں جھیلنے کے لیے فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرنے کو اور آفتیں سہنے کو"۔

ظاہر بات ہے کہ عاشق اپنی محبت کا ثبوت اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک مصیبتیں نہ جھیلے اسلیے ارشاد ہے :

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوآ امنا وھم لا یفتنون.	کیا لوگوں کا خیال ہے کہ محض اتنا کہنے سے چھٹکارا ہوجائیگا کہ ہم ایمان لائے اور انکی آزمائش نہ ہوگی۔
ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللّٰہ الذین صدقُوا ولیعلمن الکذبین.	حالانکہ ہم نے آزمایا ان سے پہلے لوگوں کو پس ضرور معلوم کرلے گا اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کو اور ضرور معلوم کرلے گا جھوٹوں کو۔

غرض اصل بیان یہ تھا کہ جس طرح اعمال کی رُوح ضروری ہے اسی طرح ان کی صورت بھی مطلوب ہے اس لیے کہ دنیا میں صورت اصل ہے اور رُوح اس کے تابع ۔تو اب یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا میں جس طرح ہر چیز کی بقاء کے لیے صورت کی ضرروت ہے اسی طرح اعمالِ شرعیہ کی رُوح کی بقاء کے لیے اِن کے جسم اور صورت کی ضرورت ہے۔اگر کوئی شخص کہے کہ اعمال میں اصل تو رُوح ہے اس لیے رُوح کو لے لو اور صورت کو چھوڑ دو تو اس کو چاہیے کہ یہ عمل اپنے اُوپر جاری کرے پہلے اپنے بدن کو ختم کردے اور خودکشی کرلے کہ بس میں تو اپنی رُوح کو باقی رکھوں گا، ورنہ اگر خود بغیر صورت کے نہیں رہ سکتے تو پھر اعمال شرعیہ میں آخر کیوں یہ عملِ جراحی کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ شروع میں معلوم ہو چکا ہے کہ کائنات میں جس طرح مجموعہ بدن کے لیے مجموعہ رُوح ہے اسی طرح ہر چیز کی علیحدہ علیحدہ رُوح بھی ہے جیسے آنکھ میں قوتِ بینائی اس کی رُوح ہے وغیرہ اسی طرح سارے مجموعہ اعمال کی رُوح ہے اور پھر ہر ہر عمل کی علیحدہ علیحدہ رُوح ہے اور اس رُوح کا نام " تقوٰی " ہے چنانچہ قربانی کے متعلق ارشاد ہے :

لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماءُ ھا ولکن ینالہ التقوٰی منکم.	یعنی خدا تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارا تقوٰی پہنچتا ہے۔

تو قربانی کی رُوح بھی تقوٰی ہے۔

سو اگر کوئی یہ کہے کہ جب قربانی سے تقوٰی مقصود ہے تو پھر قربانی کی کیا ضرورت ہے بلکہ تقوٰی اختیار کر لو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر سارے اسلام کو چھوڑ کر بس تقوٰی ہی اختیار کر لو کیونکہ روزہ کے متعلق ارشاد ہے :

كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون.	اے ایمان والوں فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

تو روزہ کا حاصل بھی تقوٰی ہی ہے۔

نماز کے متعلق ارشاد ہے :

ان الصلٰوة تنهٰى عن الفحشاء والمنكر.	نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

پھر ارشاد ہے :

ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من اٰمن بالله واليوم الاٰخر والملٰئكة والكتٰب والنبيين واٰتى المال على حُبه ذوى القربٰى واليتٰمى والمسٰكين وابن السبيل والسائلين وفى الرقاب واقام الصلٰوة واٰتى الزكٰوة والموفون بعهدهم اذا عاهدوا و الصّٰبرين فى الباسآءِ والضرآءِ وحين الباس اُولٰئك الذين صدقُوا و اولٰئك هم المتقون.	سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتب پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی راہ میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے والوں کو جو نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکٰوۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کریں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

لیجیے سارے اسلام کا حاصل تقوٰی نکلا اس لیے سب کو چھوڑ کر تقوٰی اختیار کر لیجیے، لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لیے

کہ جس طرح ہر ہر جزو کی رُوح علیحدہ ہے اسی طرح ہر عبادت کا تقوٰی جداگانہ ہے تو جو تقوٰی گوشت پوست کے ذریعے پہنچتا ہے اور حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسری عبادت سے کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ مثلاً زید کی رُوح کو گدھے کے قالب میں اگر منتقل کردیا جائے تب بھی وہ زید نہ بنے گا بلکہ گدھا ہی رہے گا۔ اسی طرح صدقہ صدقہ ہی رہے گا۔ قربانی کا قائم مقام اسے کیسے کیا جاسکتا ہے تو دنیا میں تو بغیر صورت کے چارہ نہیں۔ اس لیے قربانی کرنی ہی پڑے گی ہاں آخرت میں پہنچ کر آپ قربانی نہ کریں کیونکہ صورت ضروری نہیں۔ لیکن دنیا میں اگر آپ نے اعمال کی صورت کو ترک کردیا تو یقین رکھیے کہ آپ نے اس کی رُوح کو بھی فنا کردیا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے :

ما عمل ابن ادم من عمل یوم النحر احب الی اللّٰہ من اھراق الدّم. یعنی بقرعید کے روز سب سے زیادہ محبوب قربانی ہے۔

تو اس روز سوائے اس عمل کے دوسرا عمل کیسے اُسکا قائم مقام ہوسکتا ہے اور حدیث میں ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا :

یارسول اللّٰہ ماھٰذہِ الاضاحی یعنی یہ قربانیاں کیا چیز ہیں ؟

آپ ﷺ نے ارشادفرمایا :

سنة ابیکم ابراھیم تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے

صحابہ نے استفسار کیا۔

فما لنا فیھا یا رسول اللّٰہ یارسول اللہ! اس سے ہمارا کیا فائدہ ہے

آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ

بکل شعرةٍ حسنة. قربانی کے ہر بال پر نیکی ملے گی

قربانی کی حقیقت :

اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا۔ مگر خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ ان کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اس لیے حکم دیا کہ تم جانور کو ذبح کرو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے اپنے آپ کو قربان کردیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے خواب کے ذریعے بشارت دی کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیل کی قربانی پیش کریں۔ اب دیکھیے یہ حکم اول تو اولاد کے بارے میں دیا گیا اور اولاد بھی کیسی۔ اور فرزند بھی ناخلف نہیں بلکہ نبیٔ معصوم ایسے بچہ کو قربان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ حقیقت میں انسان کو اپنی قربانی پیش کرنا آسان ہے مگر اپنے ہاتھ سے اپنی اولاد کو ذبح کرنا بڑا سخت اور مشکل کام ہے۔ مگر حکمِ خداوندی تھا اس لیے آپ نے بیٹے کی محبت کو پس پشت ڈالا اور حکمِ خداوندی کے آگے

سر جھکا دیا۔ اور حضرت اسمٰعیل کو لے کر منٰی کے منحر میں تشریف لے آئے۔ اور فرمایا کہ بیٹا مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کردوں تو حضرت اسمٰعیل نے فوراً فرمایا اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ یعنی جو آپ کو حکم ہوا وہ ضرور کیجئے۔ اگر میری جان انہیں چاہیے، تو ایک جان کیا ہزار جانیں بھی ہوں تو نثار ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے، چھری تیز کی۔ اب بیٹا خوش ہے کہ میں خدا کی راہ میں قربان ہو رہا ہوں اِدھر باپ خوش ہے کہ میں اپنی قربانی پیش کر رہا ہوں۔ چنانچہ حکمِ خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی تو چھری کند ہوگئی اور اس وقت حکم ہوا :

قد صدقت الرُّؤیا انا کذالک	بیشک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہم
نجزی المحسنین.	نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں

اور اب ہم اس کے عوض جنت سے ایک مینڈھا بھیجتے ہیں اور تمہارے بیٹے کی جان کے عوض ایک دوسری جان کی قربانی مقرر کرتے ہیں چنانچہ اُسی دن سے گائے، مینڈھا یا بکری وغیرہ قربانی کے لیے فدیۂ مقرر ہوگیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ذبیحہ کا اصل مقصد جان کو پیش کرنا ہے چنانچہ اس سے انسان میں جان سپاری اور جان نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی اس کی رُوح ہے تو یہ رُوح صدقہ سے کیسے حاصل ہوگی کیونکہ قربانی کی رُوح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی رُوح مال دینا ہے۔ پھر اس عبادت کا صدقہ سے مختلف ہونا اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا کوئی دن مقرر نہیں مگر اس کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا گیا اور اس کا نام "یوم النحر" یعنی عید الاضحٰی یعنی قربانی کا دن رکھا گیا۔ جہاں تک قربانی کے مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ سلفاً خلفاً ایسی ہی ہوتی چلی آئی، انبیاء کا بھی اور اُمّت کا بھی اس پر اجماع ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سب کے یہاں قربانی تھی۔ ائمہ کرام ؒ کا بھی اس پر اجماع ہے یہ اور بات ہے کہ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو یوسفؒ ان سب کے یہاں قربانی سنت ہے اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک واجب ہے۔ اس حکم میں اختلاف اور ائمہ کے وقائق ہیں مگر قربانی میں سب متفق ہیں اور اگر یہ کوئی غیر شرعی عمل ہوتا تو احادیث میں اس کی صفات وغیرہ کیوں بیان کی جاتیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی۔ ان نشرف العین والاذن یعنی ہم قربانی کی آنکھ اور کان دیکھ بھال کرلیا کریں۔ وان لا نضحی بمقابلۃٍ ولا مدابرۃٍ ولا شرقاءَ ولا خرقاء۔ ہم نہ قربانی کریں ایسے جانور کی جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو اور پیچھے سے کٹا ہوا ہو اور نہ چرا ہوا ہو اور نہ جس کے کانوں میں سوراخ ہو۔ اور اس کے علاوہ بھی بعض اوصاف مذکور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے احکام صدقہ سے بالکل جداگانہ ہیں اس لیے اس میں صدقہ کے احکام سے پرہیز کرنا ضروری ہے پھر ساری اُمّت آج تک بلا اختلاف اس عمل کو کرتی چلی آئی اور تعامل سب سے بڑی دلیل ہے۔

لاہور کے مشہور علمی ادارہ جامعہ مدنیہ جدید کے زیر اہتمام

خواتین و حضرات کے لیے ۸ ماہ کا مکمل

فہم دین کورس

بلا معاوضہ پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ خواتین و حضرات! دین کے صحیح علم و فہم سے آپ بے نیاز نہیں ہو سکتے لہٰذا اس سنہری موقع سے ضرور فائدہ اٹھائیں

مرد و خواتین کے لئے الگ الگ انتظام ہوگا

فہم دین کورس مندرجہ ذیل مضامین پر مشتمل ہے

۱۔ مکمل قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر
۲۔ تمام مضامین پر مشتمل احادیث کا مجموعہ
۳۔ اسلامی عقائد ۴۔ اصول دین
۵۔ جدید مسائل سمیت اسلامی احکام

فوری رابطہ کیجیے داخلہ محدود ہے

مکمل کورس کرنے والوں کو جامعہ مدنیہ جدید کی جانب سے سند بھی دی جائے گی۔

مقام: صفہ اکادمی 3 محمود سٹریٹ موہنی روڈ لاہور۔ فون نمبر: 7112492

کورس کا آغاز 5 جنوری 2004ء سے ہوگا
وقت تعلیم 2 گھنٹے دوپہر 1:45 تا 3:45

قسط : ۱

ہندوستان اور پاکستان کے علماء کرام نے جہاں موجودہ دور کے اقتصادی اور معاشی نظام میں غلط اور حرام چیزوں کی نشاندہی فرمائی ہے وہیں اسلامی قوانین کی روشنی میں ان کی جائز اور قابلِ عمل متبادل صورتیں بھی پیش فرمائی ہیں جس سے مغرب کے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں مزید کھل کر سامنے آجاتی ہیں اور اسلام کے اقتصادی نظام کی ہمہ جہتی بھی خوب اُجاگر ہو جاتی ہے اس موضوع کی مخصوص اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ادارہ اسلامی اقتصادی اور بینکاری کے ماہر علماء کرام کو اپنی قیمتی تحقیق اور تجاویز کو منظرِ عام پر لانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرنا ہے تاکہ اس کا دائرہ وسیع ہو کر اس کے مخفی گوشوں کو مزید اُجاگر کردے تاکہ وہ ایک دوسرے کے نکتہ نظر سے آگاہ ہو سکیں اور آراء کا باہمی اختلاف کم سے کم ہو کر یک جہتی پیدا کردے اور خوب سے خوب تر کا حصول آسان ہو جائے۔

زیرِ نظر مضمون جامعہ مدنیہ لاہور کے مفتی حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم کا تحریر کردہ ہے اور موجودہ دور میں جدید اسلامی بینکاری سے متعلق ہے۔ ادارہ دیگر اہلِ علم کی اسلامی اقتصادی اور معاشی تحقیقات کو بھی منظر عام پر لانے کی خدمت میں خوشی محسوس کرے گا۔ (ادارہ)

پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکاری

کے چند واجب اصلاح اُمور

﴿ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالوحد صاحب ﴾

بسم اللہ حامدا و مصلیا۔ اس دور میں اسلامی بینکاری سے متعلق کوششوں کی وجہ سے حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ اور ان کے صاحبزادے مولوی عمران عثمانی سلمہ منفرد اور امتیازی مقام حاصل کر چکے ہیں۔ ان حضرات کا یہ جذبہ کہ کسی طرح بینکنگ کا نظام شرعی بنیادوں پر استوار ہو جائے قابلِ قدر ہے۔ ان حضرات کی کوششوں سے میزان بینک کلی طور پر اور البرکہ بینک کا ایک کاؤنٹر اسلامی بینکاری کرنے کا مدعی ہے۔ اور یہ حضرات ان دونوں ہی بینکوں کے شرعی مشیر بھی ہیں۔

دوسرے مسلمانوں کی طرح الحمدللہ ہم بھی اسلامی بینکاری کے خواہش مند ہیں لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ نظام ایسی بنیادوں پر قائم ہو کہ کسی کو آسانی سے اسے اغوا کرنے اور غیر شرعی بنیادوں کی طرف دھکیلنا ممکن نہ ہو۔ رائج کردہ اسلامی بینکاری سے متعلق کچھ باتوں سے اختلاف تو ہمیں شروع سے تھا لیکن دستاویزی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے علی الاعلان اس

کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ابھی حال ہی میں مولوی عمران اشرف عثمانی سلمہ جواسلامی اقتصادیات میں ماشاء اللہ پی ایچ ڈی اور ایم فل بھی ہیں ان کی ایک کتاب'' اسلامی بینکاری کے لیے میزان بینک کی رہنما''"Meezan Bank's Guide To Islamic Banking" بازار میں آئی تو اسلامی بینکاری کے اصول وفروغ پر دستاویز حاصل ہوئی۔اسلامی بینکاری کے اکثر وبیشتر اُصول وضوابط پر تو ہمیں ان سے اتفاق ہے البتہ کچھ فکری اور عملی پہلو ایسے ہیں جن کو ہم اسلامی بینکاری کے خلاف سمجھتے ہیں اور ہمیں قوی اندیشہ ہے کہ آگے چل کر یہی پہلو اسلامی بینکاری کو مکمل غیر اسلامی بنانے میں وسائل کا کام دیں گے۔

بینک کو سود سے پاک کرنے اور بلاسود بینکاری کے نظام پر غور کرنے کے لیے شعبان ۱۴۱۲ھ میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا اجلاس مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے دارالعلوم میں ہوا تھا۔اُس کی تجاویز احسن الفتاویٰ کی ساتویں جلد میں مذکور ہیں۔احسن الفتاویٰ کے مؤلف مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ''اس میں پاکستان بینکنگ کونسل کے دو ممبروں کو بھی شریک کیا گیا۔تجاویز کی تحریر میں ان کی زیادہ سے زیادہ رعایت رکھی گئی۔یہ بعض اُمور پر محض اس لیے مصر رہے کہ بینک کو زیادہ سے زیادہ نفع ہو علماء نے محض ان کی رعایت سے ان کی بعض نامناسب تجاویز کو بھی قبول کرلیا.....'' (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۱۱۵)

مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی دعوت پر راقم الحروف (عبدالواحد) بھی اس اجلاس میں شریک تھا۔نامناسب تجاویز کے خلاف میں نے اجلاس میں بھی آواز اُٹھائی اور بعد میں وہ نکات تحریری طور پر بھی بھیجے جو سب احسن الفتاویٰ کی ساتویں جلد میں شائع شدہ ہیں۔

اب ہمارے سامنے ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کی تجاویز بھی ہیں اور مولوی عمران اشرف سلمہ کی کتاب ''اسلامی بینکاری'' بھی ہے۔مولانا تقی عثمانی اور مولوی عمران اشرف عثمانی نے جو اسلامی بینکاری رائج کی ہے اس کے جن پہلوؤں سے ہمیں اختلاف ہے اور جن کو ہم اصل اسلامی بینکاری کے خلاف سمجھتے ہیں ان میں سے چند کو ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں اور ان پر اپنا تبصرہ پیش کرتے ہیں :

۱۔ نقصان کے تدارک اور خیرات کے نام پر بینک کا اپنے عمیل سے رقم وصول کرنا :

مجلس تحقیق کی تجاویز میں یوں ذکر ہے :

''غیر سودی نظام میں اگر قرض دار بر وقت ادائیگی نہ کرے تو اس کو سود کے بڑھنے کا خوف نہیں ہوتا........بعض علماءِ عصر نے اس مسئلے کے حل کے لیے یہ تجویز پیش کی ہے : عمیل سے عقدِ مرابحہ کرتے وقت یہ لکھوالیا جائے کہ اگر وہ ادائیگی کی اہلیت کے باوجود بروقت ادائیگی نہ کرسکا تو وہ اپنے واجب الاداء دین کا ایک مخصوص فیصد حصہ ایک خیراتی فنڈ میں چندے کے طور پر ادا کرے گا۔اس غرض کے لیے بینک میں ایک خیراتی فنڈ قائم کیا جائے گا جو نہ بینک کی ملکیت ہوگا اور نہ اس کی رقوم بینک کی آمدنی میں شامل ہوں گی بلکہ اس سے ناداروں کی امداد اور ان کو غیر سودی قرضے فراہم کرنے کا کام لیا جائے گا۔بعض مالکی فقہاء کے نزدیک ایسا التزام قضاءً بھی نافذ ہوجاتا ہے۔'' (احسن الفتاوی ج ۷ ص ۱۲۱)

ہم کہتے ہیں کہ یہاں تو یہ طے ہوا کی عقدِ مرابحہ کرتے وقت عمیل کو اس کا پابند کیا جائے گا کہ اگر وہ ادائیگی کی اہلیت کے باوجود بروقت ادائیگی نہ کرسکا تو اس کو خیراتی فنڈ میں واجب الاداء دین کا ایک مخصوص فیصد حصہ چندہ دینا ہوگا۔لیکن مولوی عمران صاحب اپنی کتاب اسلامک بینکنگ میں لکھتے ہیں کہ عدمِ ادائیگی کی وجہ سے بینک کو جو نقصان ہوتا ہے عمیل کو اس نقصان کا تدارک کرنا ہوگا۔ان کے الفاظ یہ ہیں :

Penalty of Default :

"Another issue with Murabahah is that if the client defaults in payment of the price at the due date,the price cannot be changed nor can penalty fees be charged.

In order to deal with dishonet clients who default in payment deliberately,they should be made liable to pay compensation to the islamic bank for the loss suffered on account of default."(P.129)

بروقت ادائیگی نہ کرنے پر جرمانہ :

''مرابحہ میں ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر عمیل معین تاریخ پر ادائیگی نہیں کرتا تو نہ تو قیمت میں

کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے۔لیکن بددیانت عمیل جو (مولوی عمران اشرف کے مطابق ایک مہینہ کی مہلت ملنے اور کوئی معقول عذر نہ ہونے کے باوجود) جان بوجھ کر بروقت ادائیگی نہیں کرتے ان سے نمٹنے کا یہی طریقہ ہے کہ ان کی عدمِ ادائیگی کی وجہ سے اسلامی بینک کو جو نقصان ہوا ہے ان کو پابند کیا جائے کہ وہ اس نقصان کے تدارک کے لیے اتنی رقم (بطور جرمانہ) ادا کریں۔"

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تدارک میں عمیل بینک کو جو رقم ادا کرے گا اسکو سود سے کیسے ممتاز کیا جائے گا۔ یہ تو بعینہ سود ہی ہوگیا اور آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والی بات ہوگئی۔

البتہ اجارہ یا لیز (lease) میں مولوی عمران صاحب نے خیرات والے مسئلہ کو برقرار رکھا ہے لہٰذا لکھتے ہیں :

Penalty of late payment is given to charity :

.............The lessee may be asked to undertake that if he fails to pay rent on its due date,he will pay certain amount to a charity.For this purpose,the financier/ lessor may maintain a charity fund where such amounts may be credited and disbursed for charitable purposes,including advancing interest-free loans to the needy persons. (p.156)

تاخیر سے ادائیگی پر لیا جانے والا جرمانہ صدقہ کے مصرف میں خرچ ہوگا :

"مستاجر کو اس بات کا پابند کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہ التزام کرے کہ اگر وہ کرایہ بروقت ادا نہ کرسکا تو وہ اتنی مخصوص رقم صدقہ کرے گا۔اس کی خاطر سرمایہ کار یا آجر ایک خیراتی فنڈ قائم کرے گا جس میں یہ رقوم جمع کی جائیں گی اور ضرورت مند افراد کو غیر سودی قرضوں کے اجراء سمیت وہ خیراتی مصرف میں خرچ کی جائیں گی۔"

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی جن غیر

مناسب تجاویز کی طرف اُن کے پہلے دیے گئے حوالہ میں اشارہ تھا ان میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی جو ابھی ہم نے ذکر کی۔ راقم الحروف نے اجلاس کے دوران بھی اور اجلاس کے بعد بھی آواز اُٹھائی۔ خود مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے احسن الفتاوٰی میں ہمارے اختلافی نکتہ پر لکھا :

"مجلس کی تجویز تو یہ ہے کہ یہ فنڈ بینک کی بجائے کسی ثالث کی تحویل میں رہے مگر بینک اپنی ہی تحویل میں رکھنے پر مصر رہے (احسن الفتاوٰی حاشیہ ص ۱۲۱ ج ۷)

ہم کہتے ہیں کہ مجلس نے اس وقت بھی بینک والوں کے اصرار کے آگے ان کو زیادہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی اور مولوی عمران اشرف نے بھی اپنی کتاب میں اس کو ایک ضابطہ کے طور پر تسلیم کرلیا ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ بینک کا اس میں کچھ فائدہ ہی ہوگا جو وہ اصرار کر کے اس کو منوانے کے درپے ہوا اور نہ عام سمجھ کی بات ہے کہ بے فائدہ کام کو اپنے سر کون لیتا ہے۔ اور کچھ بھی نہ ہو تو غریبوں فقیروں پر تقسیم کر کے بینک کو نیک نامی تو حاصل ہوگی اور آج کے دور میں جبکہ ہر چیز کو روپے میں تولا جاتا ہے (یعنی Evaluate کیا جاتا ہے) تو اگر اس نیک نامی کو بھی روپوں میں تولا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بینک کو کتنا بڑا فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اور یہ تو سب سے کم فائدہ ہے ورنہ بینک اپنے ملازموں کو ضرورت مند Needy persons دکھا کر مکان کے لیے، کار کے لیے اور دیگر ضروریات کے لیے بلاسود قرضہ دے سکتا ہے۔ اپنے ہی ملازموں کو مجبور اور ضرورتمند دکھا کر ان میں خیرات کے طور پر رقم تقسیم کرسکتا ہے۔ غرض ایسے بہت سے کام ہوسکتے ہیں جو وہ اپنی آمدنی میں سے پورے کرنے کے بجائے اب وہ خیراتی فنڈ سے پورے کرسکتا ہے۔ اور ضرورت مند دکھانے کے لیے بینک کو خود اپنی طرف سے کچھ نہ کرنا ہوگا۔ اس کا صرف یہ کہنا کہ ضرورت مند سٹاف یا اس کے لواحقین فائدہ اُٹھا سکتے ہیں سب کام کرالے گا۔ غرض یہ ظاہری سود نہ ہو معنوی سود تو ہے اور اسلامی بینکاری میں ایسی چیز کو راہ دینا اس کی اساس کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ شیئرز کی خریداری :

مولوی عمران اشرف صاحب مرابحہ کے تحت حصص (shares) کی خرید وفروخت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں لکھتے ہیں :

"The shares of a lawful company can be sold or purchased on Murabahah basis because according to the principles of Islam, the shares represent

ownership into assets of the company provided all other basic conditions of the transaction are fulfilled."(page130)

''مرابحہ کی بنیاد پر کسی با قاعدہ کمپنی کے حصص خریدے اور فروخت کیے جاسکتے ہیں کیونکہ اسلامی اصولوں کی رو سے جبکہ عقد کی دیگر تمام بنیادی شرائط پوری کی جارہی ہوں یہ حصص کمپنی کے اثاثہ جات میں ملکیت کی دلیل ہیں ۔''

"In an equity or mutual fund (unit trust)the amounts are invested in the shares of joint stock companies. The profits are mainly derived through thecapital gains by purchasing the shares and selling them when their prices are increased.Profits are also earned through dividends distributed by the relevant companies."(p,210)

''کسی ایکوئیٹی یا مشترکہ فنڈ سے جائنٹ سٹاک کمپنیوں کے حصص میں سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔ عام طور سے انہی حصص کو خرید کر اور جب ان کی قیمت میں اضافہ ہوجائے تو ان کو فروخت کر کے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں کمپنیاں جو نفع دیتی ہیں وہ بھی حاصل ہوتا ہے۔''

ہمیں سرمایہ کاری کی اس قسم سے بھی اختلاف ہے، اس لیے ہم حصص کی حقیقت اور ان کے حکم کے بارے میں عثمانی صاحبان کا مؤقف اور اِن سے اپنا اختلاف ذکر کرتے ہیں :

کمپنی کی حقیقت :

عمران اشرف صاحب لکھتے ہیں :

"......As mentioned in the books and research papers of Islamic jurists,companies come under the ruling of Shirkat-ul-Ainan."(p.211)

''جیسا کہ فقہائے اسلام کی کتابوں اور تحقیقی مقالوں میں مذکور ہے کمپنیاں شرکتِ عنان کے تحت آتی ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ شرکت عنان کی بجائے اولاً یہ شرکت اموال ہے اور پھر عقد اجارہ ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ابتدائی سرمایہ کاری کرنے والوں اور حصص کے خریداروں کا سرمایہ مل کر مشترک ہو جاتا ہے۔ یہ شرکت اموال کی صورت بن جاتی ہے۔ ابتداء میں بظاہر تو حصص کی خرید نظر آتی ہے لیکن اصل میں یہ مختلف لوگوں کا اپنا سرمایہ اکٹھا کرنے کی صورت ہے۔

سرمایہ اکٹھا ہونے کے بعد کمپنی کے ڈائرکٹران اس سرمایہ سے کاروبار کرتے ہیں اور اپنے کام پر باقاعدہ اجرت وصول کرتے ہیں جو کمپنی کے اخراجات کی مد میں شمار ہوتی ہے۔ تمام اخراجات نکال کر جو نفع ہوتا ہے وہ اصحاب حصص (جن میں سرمایہ کار اور عام حصہ دار دونوں شامل ہوتے ہیں ان) میں ان کے سرمایوں کے تناسب سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ کیا جاتا ہے کہ سرمایہ کو مثلاً دس دس روپے کے حصص کی صورت میں لیا جاتا ہے اور نفع کو کل حصص پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

اگرچہ عرف عام میں اس کو شرکت کہا جاتا ہے جیسا کہ خود عمران اشرف صاحب نے اس کو شرکتِ عنان کہا ہے لیکن شرعی نقطۂ نظر سے یہ معاملہ شراکت کا نہیں بلکہ اجارہ کا ہے جس کا بیان یہ ہے کہ ڈائرکٹران مشترکہ سرمایہ میں کاروبار کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے کام کی وجہ سے اُجرت لیتے ہیں۔ غرض ان کا اُجرت لینا اسی بات کو متعین کرتا ہے کہ کمپنی کے تمام ہی حصہ داروں کے درمیان یہ عقد اجارہ ہے عقد شرکت عنان نہیں۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کا شریک کو ملازم رکھنے کے بارے میں فتویٰ ہماری اس بات کے سر مو مخالف نہیں ہے۔

حصص کا حکم :

یہ بتانے کے بعد کہ کمپنی کے کام کی اصل حقیقت اجارہ ہے اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ وہ اجارہ موجودہ حالات میں عام طور سے مندرجہ ذیل دو وجوہات کی بناء پر فاسد ہوتا ہے۔

(ا) ڈائرکٹران وغیرہ کی اُجرتیں مجہول ہوتی ہیں یعنی معاملہ کرتے ہوئے یا بالفاظ دیگر سال کے شروع میں یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ کتنی اُجرت وصول کریں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی بنیادی تنخواہیں متعین ہوتی ہیں لیکن ان کے بھتوں اور Allowances جو خود اُجرت ہی کا حصہ ہیں ان کی مقدار معلوم نہیں ہوتی۔ ان کے مجہول رہنے سے کل تنخواہ اور کل اُجرت مجہول ہو جاتی ہے اور یہ بات اجارہ کے فاسد ہونے کا سبب ہے۔ یہ جہالت اتنی معمولی بھی نہیں ہوتی

کہ اس کو نظر انداز کیا جاسکے مثلاً ایک کمپنی کی سالانہ رپورٹ میں یہ درج ہے کہ اس کے چیف ایگزیکٹو (Chief Executive) کی 1994ء کے سال کی تنخواہ تین لاکھ تیس ہزار روپے تھی جبکہ بھتوں اور الاؤنسز کی صورت میں اس نے ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ کے فوائد حاصل کیے۔ کمپنی کی جانب سے کار بھی مہیا کی گئی جس کے تمام اخراجات کمپنی کے ذمہ تھے اور free furnished accomodation بھی دی۔ اسی طرح ایک اور کمپنی کے دو ڈائرکٹروں نے 1993ء کے سال میں رہائشی الاؤنس کے طور پر =/79000 روپے وصول کیے جبکہ 1994ء میں انہوں نے اسی مد میں دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ وصول کیا۔

یہ خیال کرنا کہ چونکہ یہ جہالت **مفضی الی النزاع** نہیں ہوتی لہٰذا اس کا تحمل کیا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو بہت سے لوگوں کو ان مسائل کا علم ہی نہیں ہوتا اور دوسرے ان کا کوئی بس بھی نہیں چلتا۔ اس لیے کوئی آواز نہیں اُٹھتی ورنہ **فی ذاتہ** تو وہ نزاع کا باعث ہے۔

(۲) یہ بات تقریباً سب ہی کمپنیوں میں مشترک ہے کہ وہ اپنے ڈائرکٹروں (Directors) کو یہ حق دیتی ہیں کہ وہ کمپنی کے Behalf پر قرضہ لے سکتے ہیں اور سود کی ادائیگی کر سکتے ہیں یہ بات ڈائرکٹروں کے اختیارات کے بیان میں اور کمپنی کے Memorandum Of Association میں مذکور ہوتی ہے لہٰذا جب کوئی شخص کمپنی کے حصص ابتداء میں یا بعد میں خریدتا ہے تو وہ اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے خریدتا ہے اور چونکہ اس Memorandum کو قانونی اعتبار حاصل ہے لہٰذا ایجاب وقبول اور عقد کو اس میں مندرج نکات کے ساتھ مشروط سمجھا جائے گا۔ اور چونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے لہٰذا فاسد ہے جس سے عقد اجارہ فاسد ہوا۔

ایک کمپنی کے ڈائرکٹروں کے بیان میں یوں مذکور ہے :

"The directors are empowered by the company's Articles of Association to borrow or raise money or secure payment of any sum or sums of money for the purpose of the company's business."

"کمپنی کے آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن کے تحت ڈائرکٹروں کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کمپنی کے کاروبار کی خاطر کسی بھی مقدار میں قرضہ لے سکتے ہیں یا رقم اکٹھی کر سکتے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ ہمارے دور میں ایسے قرضے سود پر ملتے ہیں۔

اسی طرح ایک کمپنی کے Memorandum میں یوں درج ہے :

"To borrow money from time to time required for any of the purpose of the company by receiving advances or any sum or sums of money with or without security upon such terms as the directors may deem expedient.......

To issue or guarantee the issue of or the payment of interest on the shares,debentures,debenture stock or other security or obligation of this company."

''کمپنی کے ڈائرکٹروں کو اختیار ہوگا کہ کمپنی کے مفاد کی خاطر وقتاً فوقتاً ضرورت کے بقدر رقم قرض لے سکتے ہیں۔اس کے لیے وہ پیشگی رقوم بھی لے سکتے ہیں اور ضمانت کے ساتھ یا بلا ضمانت ان شرائط پر بھی قرض لے سکتے ہیں جو وہ مناسب سمجھیں۔

وہ حصص پر، ڈبینچر پر، ڈبینچر سٹاک پر یا امانت پر یا کمپنی کی کسی اور واجب الادا رقم پر سود دے سکتے ہیں۔''

اس شرط فاسد کا بیان یہ ہے کہ ڈائرکٹر جب کوئی قرض لیتے ہیں تو وہ اپنے نام پر نہیں لیتے بلکہ کمپنی کے نام پر لیتے ہیں اور اس کی واپسی اور اس پر سود کی ادائیگی کی ذمہ دار کمپنی ہوتی ہے لہٰذا وہ قرض کمپنی میں سرمایہ کاری کرنے والے تمام افراد پر (خواہ وہ عہدیدار ہوں یا عام حصہ دار ہوں سب پر) ان کے سرمایہ کے تناسب سے تقسیم ہو جاتا ہے۔اگر کمپنی کو نقصان ہو تو قرضہ کی واپسی اور سود کی ادائیگی شیئر ہولڈرز یعنی حصہ داروں کے اصل سرمایہ میں سے کی جائے گی۔

غرض فساد تو حصہ کے خریدنے کے وقت ہی آجاتا ہے۔

ہماری تجویز اور رائے کے برعکس مولوی عمران اشرف صاحب کمپنی کے کام کی حقیقت کو ''شرکتِ عنان'' کہتے ہیں البتہ یہ بھی مانتے ہیں کہ کمپنی کے عہدیدار اُجرت پر کام کرتے ہیں اور کسی شریک کے اُجرت پر کام کرنے کے جواز کو مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے احسن الفتاویٰ کی ساتویں جلد میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

کمپنی کے ڈائرکٹروں اور عہدیداروں کے اجارہ پر کام کرنے کو مان لینے کے بعد مولانا تقی عثمانی مدظلہ اور مولوی عمران اشرف سلمہ نے ہمارے ذکر کردہ مفاسد میں سے ایک سے یعنی ڈائرکٹروں کی تنخواہ کی مقدار کے مجہول ہونے سے تعرض ہی نہیں کیا البتہ انہوں نے دوسرے مفسدہ یعنی ڈائرکٹروں کے سودی لین دین پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔اس کو ہم

پہلے من وعن نقل کرتے ہیں اتنی بات ذہن میں رکھیں کہ سودی لین دین کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مولوی عمران اشرف سلمہ عام شرکت عنان اور جوائنٹ سٹاک کمپنی کی شراکت کے درمیان کچھ فرق بھی سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

"But if the rule of partnership is truly applied in a company,there is no possibility for any kind of impermissible activity or income. Because every share-holder of a campany is a sharik(partner)of the company,and every sharik,according to the Islamic jurisprudence is an agent of the other partners in the matters of joint business.Therefore,the mere purchase of a share of a company embodies an authorization from the share-holder to the company to carry on its business in whatever manner the management deems fit.If it is known to the share-holder that the company is involved in an un-Islamic transaction,and he continues to hold the shares of that company,it means that he has authorized the management to proceed with that un-Islamic transaction.In this case,he will not only be responsible for giving his consent to an un-Islamic transaction,but that transaction will also be rightfully attributed to himself,because the management of the company is working under his tacit authorization.

However a larger number of shariah scholars say

that Joint Stock Company is basically different from a simple partnership.In partnership,all the policy decisions are taken through the consensus of all partners,and each one of them has a vetro-power with regard to the policy of the business. Therefore,all the actions of a partnership are rightfully attributed to each partner.Conversely,the majority takes the policy decisions in a joint stock large number of company.Being composed of a share-holders,a company cannot give a vetro-power to each share-holder.The opinions of individual share-holders can be over-ruled by a majority decision. Therefore,each and every action taken by the company cannot be attributed to every share-holder in his individual capacity.If a share-holder raises an objection against a particular transaction in an Annual General Meeting,but his objection is over-ruled by the majority,it will not be fair to conclude that he has given his consent to that transaction in his individual capacity,especially when he intends to refrain from the income resulting from that transaction." (pp.211-212)

۳۔اگر کمپنی کو مکمل طور پر شراکت کے اصولوں پر چلایا جائے تو اس میں کوئی ناجائز عمل یا ناجائز آمدنی ممکن نہیں۔ چونکہ کمپنی کا ہر حصہ دار کمپنی کا شریک بھی ہے اور اسلامی فقہ کے مطابق

کمپنی کے مشترکہ کاروباری امور میں ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے لہٰذا کمپنی کے حصہ کی محض خریداری ہی اس بات کو متضمن ہے کہ حصہ دار نے کمپنی کے عہدیداروں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جیسے مناسب سمجھیں کمپنی کا کاروبار چلائیں۔ اگر حصہ دار کو معلوم ہے کہ کمپنی کسی غیر اسلامی عقد و معاملہ میں ملوث ہے اور وہ پھر بھی کمپنی کے حصے اپنے پاس برقرار رکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کمپنی کے عہدیداروں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے اس غیر اسلامی عقد کو جاری رکھیں۔ اس صورت میں وہ صرف اتنی ہی بات کا ذمہ دار نہیں کہ اس نے ایک غیر اسلامی عقد پر اپنی رضامندی دی ہے بلکہ وہ غیر شرعی عقد بجا طور پر خود اس کی طرف بھی منسوب کیا جا سکتا ہے کیونکہ کمپنی کے عہدیدار اس حصہ دار کی جانب سے دیے گئے ضمنی اختیار کے تحت کام کرتے ہیں۔

لیکن علمائے شریعت کی ایک کثیر تعداد کا کہنا ہے ''جوائنٹ سٹاک کمپنی'' اور ''عام شراکت'' کے مابین بنیادی فرق ہے۔ عام شراکت میں تمام کاروباری فیصلے تمام شرکاء کی متفقہ رائے سے طے پاتے ہیں اور کاروبار سے متعلق پالیسی اُمور میں شریک کو ویٹو کرنے (veto-power) کا حق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے عام شراکت میں تمام ہی افعال کی نسبت ہر ہر شریک کی طرف کرنا بجا ہے۔ اس کے برعکس جوائنٹ سٹاک کمپنی میں پالیسی فیصلے کثرتِ رائے سے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ دار کی تجاویز کو کثرت رائے کی وجہ سے مسترد کیا جا سکتا ہے۔ اس وجہ سے کمپنی کے اختیار کیے ہوئے ہر ہر عمل کی نسبت ہر ہر حصہ دار کی طرف انفرادی حیثیت میں نہیں کی جا سکتی۔ اگر کمپنی کے سالانہ اجلاس عام میں کوئی حصہ دار کسی خاص عقد کے خلاف آواز اُٹھائے لیکن اکثریت کی بنیاد پر اس کی بات مسترد کر دی جائے تو یہ نتیجہ نکالنا منصفانہ نہ ہوگا کہ اپنی انفرادی حیثیت میں اُس نے اِس عقد کی اجازت دے دی ہے خصوصاً جبکہ وہ اس عقد سے حاصل ہونے والے نفع سے اجتناب کرنے کا عزم رکھتا ہے۔''

خود مولانا تقی عثانی مدظلہ لکھتے ہیں :

''اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ آج جتنی کمپنیاں اس وقت قائم ہیں ان میں سے اکثر کمپنیاں ایسی ہیں کہ ان کا بنیادی کاروبار تو حرام نہیں ہے مثلاً ٹیکسٹائل کمپنیاں ہیں، آٹو موبائل (Auto-mobile) کمپنیاں ہیں وغیرہ لیکن شاید ہی کوئی کمپنی ایسی ہوگی جو کسی نہ کسی طرح سودی کاروبار میں ملوث نہ ہو۔ یہ کمپنیاں دو طریقے سے سودی کاروبار

میں ملوث ہوتی ہیں۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ یہ کمپنیاں فنڈ بڑھانے کے لیے بنک سے سود پر قرض لیتی ہیں اور اس قرض سے اپنا کام چلاتی ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کے پاس جو زائد اور فاضل (Surplus) رقم ہوتی ہے وہ سودی اکاؤنٹ میں رکھواتی ہے۔ اس پر وہ بینک سے سود حاصل کرتی ہے۔ وہ سود بھی اس کی آمدنی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں ایسی کمپنی کے شیئرز خریدوں جو کسی بھی طریقہ سے سودی کاروبار میں ملوث نہ ہو تو یہ بہت مشکل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر تو کسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں ہونی چاہیے۔

ایسی کمپنیوں کے بارے میں موجودہ دور کے علماء کرام کی رائیں مختلف ہیں۔ علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یہ کمپنیاں حرام کاموں میں ملوث ہیں اب چاہے تناسب کے لحاظ سے وہ حرام کام تھوڑا ہے لیکن چونکہ حرام کام کر رہی ہیں لہٰذا ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کمپنی کے ساتھ حرام کام میں حصہ دار بنے اس لیے کہ جب اس نے شیئرز خرید لیا تو اس کاروبار میں شریک ہو گیا اور کاروبار کا ایک شریک دوسرے شریک کا وکیل اور ایجنٹ ہے اب گویا کہ شیئرز ہولڈر ان کو اس کام کے لیے ایجنٹ بنا رہا ہے کہ تم سودی قرضے لو اور سودی آمدنی بھی حاصل کرو۔ اس لیے ان علماء کے نزدیک کسی کمپنی کے شیئرز اس وقت تک خریدنا جائز نہیں جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ یہ کمپنی نہ سود لیتی ہے اور نہ سود دیتی ہے۔

علماء کرام کی دوسری جماعت کا یہ کہنا ہے کہ اگرچہ ان کمپنیوں میں یہ خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر دو شرطوں کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف تھا اور ان دونوں حضرات کی اتباع میں میں بھی اس موقف کو درست سمجھتا ہوں۔ وہ دو شرطیں یہ ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شیئر ہولڈر اس کمپنی کے اندر سودی کاروبار کے خلاف آواز ضرور اٹھائے اگرچہ اس کی آواز مسترد (over-rule) ہو جائے اور میرے نزدیک آواز اٹھانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کی جو سالانہ میٹنگ (Annual General Meeting) ہوتی ہے

اس میں یہ آواز اُٹھائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے، سودی لین دین پر راضی نہیں ہیں اس لیے اس کو بند کیا جائے۔اب ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں یہ آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز ہوگی اور یقیناً اس کی یہ آواز مسترد ہوگی۔لیکن جب وہ یہ آواز اُٹھائے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ایسی صورت میں وہ انسان اپنی ذمہ داری پوری ادا کردیتا ہے۔'' (شیئرز کی خرید وفروخت ص ۱۷ تا ۱۹)

دوسری شرط کا ذکر آگے آئے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ ان حضرات کے اس قول کی بنیاد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی یہ تحریر۔

''سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر (یعنی سود کے لینے اور دینے) کا وکیل ہی نہیں بنایا اس لیے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا۔اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کر دیں گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی''۔(امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۸۹)

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ علم نہ ہوگا کہ کمپنی کا morandum of Association اور Articles of Association بھی ہوتا ہے جس کو قانونی حیثیت حاصل ہو اور حصص کی خرید وفروخت تمام کی تمام ان ہی کے مطابق ہوتی ہے۔اس کے تمام نکات عقد میں مشروط وملحوظ ہوتے ہیں حصص کی خرید کے ساتھ ہی جو اجارہ اقتضاءً منعقد ہوتا ہے وہ فاسد ہوتا ہے۔خود مولانا رحمہ اللہ نے بھی جو کہا ہے حاصل یہ ہے کہ جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کردے، یعنی خریدتے وقت کمپنی کے عہدیداروں کو کہہ دے۔یہ نہیں کہ جانتے بوجھتے پہلے تو حصص خرید لیے بعد میں کسی اجلاسِ عام اس کے خلاف آواز اُٹھائے۔یہ عقد ایک دفعہ فاسد ہو جائے تو ایک عرصہ کے بعد آواز اُٹھانے سے اس کا فساد کیسے ہوگا جبکہ اس دوران سودی لین دین ہوتے بھی رہے ہوں۔علاوہ ازیں اگر حصہ کی خرید کے وقت صراحۃً منع کرنے کی طرف سے یہ جواب ملے کہ ہم تو سودی لین دین کرتے رہیں گے تو کیا حصہ دار اب بھی بری الذمہ رہے گا۔

Memorandum کی قانونی حیثیت کے ہوتے ہوئے سالانہ اجلاسِ عام میں کسی حصہ دار کے اُٹھانے پر اگر عہدیدار یہ کہیں کہ آپ کی یہ بات غیر آئینی اور غیر قانونی ہے اور آپ کو ایسی بات کہنے کا کوئی حق نہیں تو اس حصہ دار کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔اور یہ شخص پھر بھی حصہ دار بنا رہے تو عام لوگ کتنا برا تاثر لیں گے کہ دیکھو سمجھنے کے باوجود نفع کا لالچ ہے۔

اور عام لوگ تو اگر ایسا کر بیٹھیں تو کوئی تعجب نہیں لیکن کیا ایک اہم بینکر اور ماہر اقتصادیات بھی اجلاس میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرے گا۔ ایک ناٹک رچانا ہے تو اور بات ہے لیکن معاملہ اگر سنجیدگی سے لینا ہے تو کیا سمجھے کہ میزان بینک کے President بھی ایسی بات کہنے کی جرأت کریں گے۔

پھر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے سود لینے والی شق پر اپنی معلومات کے اعتبار سے کلام کیا ہے اور عمران صاحب نے بھی اسی شق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ دیا ہے کہ حصہ دار حاصل ہونے والے نفع کا پانچ فیصد صدقہ کر دے۔ مولوی عمران اشرف لکھتے ہیں :

"Therefore,if a company is engaged in a keeps its halal(permissible)business,but also surplus money in an interest-bearing account,wherefrom a small incidental income of interest is received,it does not render all the business of the company unlawful.Now if a person acquires the shares of such a company with clear intention that he will oppose this incidental transaction also,and will not use that proportion of the dividend for his own benefit,then it cannot be said that he has approved the transaction of interest and hence that transaction should not be attributed to him.

....if a very small amount of income is earned through these means despite of his disapproval,then his trade in shares would be permissible with the condition that,he shall have to purify that proportion of income by giving it to

raised as to what charity.Now a question could be extent or what limit that income would be forgone.------It was resolved through the consensus of proficient Shariah Scholars that the limit of impermissible income should not exceed 5% of the total income."(Islamic Banking pp.212-213)

''غرض اگر کسی کمپنی کا کاروبار تو حلال ہو لیکن وہ اپنا فاضل سرمایہ سودی کھاتہ میں جمع کراتی ہو جہاں سے سود کی ایک قلیل رقم حاصل ہوتی ہو تو اتنی بات سے کمپنی کا پورا کاروبار حرام نہیں ہو جاتا۔اب اگر کوئی شخص اس کمپنی کے شیئرز اس نیت سے خریدتا ہے کہ وہ اس سودی عقد کی مخالفت بھی کرے گا اور اپنے نفع میں سے سود میں ملنے والا حصہ صدقہ بھی کردے گا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے سودی عقد کی منظوری دے دی ہے اور نتیجۃً اس عقد کی نسبت اُس کی طرف نہیں کی جاسکتی.........اگر حصہ دار کی عدم رضامندی کے باوجود نفع کا کچھ تھوڑا ہی سا حصہ سودی عقد سے حاصل ہو تو حصص میں اس کی خرید وفروخت اس شرط کے ساتھ جائز ہوگی کہ اس کو اپنی آمدنی میں سے سود کا حصہ صدقہ کرکے اپنی آمدنی کو پاک کرنا ہوگا۔اب یہ سوال اُٹھایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا کتنا حصہ صدقہ کرے۔شریعت کے ماہر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ناجائز آمدنی کی حد کل آمدنی کے ۵ فیصد سے تجاوز نہیں کرنی چاہیے۔''

مولانا تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں :

شیئرز کی خرید وفروخت کے جواز کے لیے کل چار شرطیں ہوگئیں :

(۱) اصل کاروبار حلال ہو۔

(۲) اس کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے (fixed assets) وجود میں آچکے ہوں۔رقم صرف نقد کی شکل میں نہ ہو۔

(۳) اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہے تو اس کی سالانہ میٹنگ میں آواز اُٹھائی جائے۔

(۴) جب منافع تقسیم ہو اس وقت جتنا نفع کا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اس کو صدقہ کردے۔(شیئرز کی خرید وفروخت ص ۲۰)

...دی سود دینے کی شق تو اس کے بارے میں عمران اشرف صاحب لکھتے ہیں :

"......such companies sometimes borrow money from financial institutions that are mostly based on interest.Here again the afore-mentioned principle applies i.e. if a share-holder is not personally agreeable to such borrowings,but has been overruled by the majority,these borrowing transactions cannot be attributed to him."

''یہی کمپنیاں بعض اوقات مالیاتی اداروں سے قرضے حاصل کرتی ہیں جو عام طور سے سود پر ملتے ہیں۔ یہاں پر بھی وہی مذکورہ بالا ضابطہ لاگو ہوتا ہے یعنی یہ کہ اگر کوئی حصہ دار ذاتی طور پر سود پر مبنی ان قرضوں سے متفق نہیں لیکن اکثریت نے اس کی آواز مسترد کر دی ہے تو قرض لینے کے یہ عقد اس کی طرف منسوب نہ ہوں گے۔''

لیکن یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ڈائرکٹر جب کوئی قرض لیتے ہیں تو کمپنی کے نام پر لیتے ہیں خاص اپنی ذات کے لیے نہیں لیتے۔ اس قرض کا مالک کون بنا۔ تنہا ڈائرکٹر نہیں بنتے۔ کمپنی کو اگر چہ ایک person کے طور پر لیا جاتا ہے لیکن وہ ایک معنوی چیز ہے جو ذمہ داری قبول نہیں کر سکتی۔ لہٰذا وہ قرض حصہ داروں کے درمیان ان کے سرمائے کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔ اس کو اگر کاروبار میں لگایا تو نفع بھی اسی تناسب سے حصہ داروں کی ملکیت ہوگا۔ اسی نفع میں سے (اگر چہ اس کی تقسیم سے پیشتر) سود ادا کیا جاتا ہے۔ غرض حصہ دار خواہ کتنا ہی واویلا مچالیں سود دینے کی نسبت سے وہ اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔ اور اگر کمپنی کو نقصان ہو گیا تو قرضہ کی واپسی بھی اور سود کی ادائیگی بھی حصہ داروں کے اصل سرمایہ میں سے کی جائے گی۔ (جاری ہے)

✿✿✿

حضرت مولانا سیّد سلمان ندوی صاحب ۲۸ ردسمبر کو صبح ۱۱ ربجے جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے اور طلبہ سے خطاب فرمایا۔ قارئین اگلے شمارے میں وہ خطاب ملاحظہ فرمائیں۔

سابق میجر جنرل تجمل حسین ملک مرحوم کی تعزیت کی مناسبت سے حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں صاحب قدس سرہ العزیز اور مدیر انوارِ مدینہ کے نام ساہیوال جیل سے ان کے سیاسی اور تاریخی خطوط کی سلسلہ وار اشاعت کی دوسری قسط۔(ادارہ)

اکابر کی جدوجہد تاریخی خطوط کی روشنی میں

ترتیب : مولانا سید محمود میاں صاحب

۷۸۶

میجر جنرل ریٹائرڈ تجمل حسین

۸۰۔۷۔۴

محترمی جناب شاہ صاحب السلام علیکم

میں نے آپ کو اور مولانا مفتی محمود صاحب کو بطور گواہ صفائی بلوایا ہے۔عدالت نے شاید آپ کو اطلاع دے دی ہوگی میرا موقف یہ ہے کہ میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لیے قرآن وسنت کے مطابق جدوجہد کررہا تھا جس کے لیے کوشش کرنا ہر مسلمان کا دینی فرض ہے۔قرآن کہتا ہے کہ جولوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکومت نہیں کرتے وہ کافر ہیں، وہ فاسق ہیں اور وہ ظالم ہیں۔اگر قرآن کا پیغام عوام تک پہنچانا جرم ہے تو میں اِس جرم کا اقرار کرتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

قرآن کہتا ہے۔وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ میں اللہ تعالیٰ کے قوانین کے نفاذ کے لیے کوشش کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہوں اور جب تک زندہ ہوں انشاء اللہ مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشش کرتا رہوں گا میرے خلاف حکومت کا تختہ اُلٹنے کا جرم نہیں بلکہ حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے کا جرم ہے۔آپ سے اور مولانا مفتی محمود صاحب سے صرف چند دینی مسائل پر ہی سوال کروں گا کہ از رُوئے شریعت کیا ہر مسلمان پر اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنا فرض ہے یا نہیں؟ آپ کے علاوہ میاں طفیل محمد اور چند اور علمائے دین اصغر خان اور ایس۔ایم۔ظفر ایڈووکیٹ، ریٹائرڈ چیف جسٹس حمود الرحمٰن اور کچھ فوجی جرنیل بھی بطور گواہ

صفائی آ رہے ہیں۔ اُمید ہے آپ مفتی محمود صاحب کو بھی اطلاع دے دیں گے کہ وہ تشریف لا کر ممنون فرمائیں۔ عدالت نے انہیں بھی اطلاع دے دی ہوگی۔

فقط والسلام

☆

۷۸۶

ریٹائرڈ میجر جنرل تجمل حسین

۱۲۔۸۔۸۰

محترمی ومکرمی جناب شاہ صاحب السلام علیکم

مفتی صاحب نے مجھے آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اور مفتی صاحب نے خود بھی میرے حق میں بہت اچھے بیانات دیے تھے۔ میں آپ کا اور مفتی صاحب کا بے حد ممنون ہوں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ آپ میرے حق میں دُعا کرتے رہا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم مجھ پر قائم رکھے فکر کی کوئی بات نہیں۔ انشاء اللہ بالآخر فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا چونکہ میری تمام جدوجہد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مدد کرے گا۔ میری طرف سے محمود میاں کو السلام علیکم۔

فقط والسلام

☆

۷۸۶

میجر جنرل ریٹائرڈ تجمل حسین

۱۴۔۸۔۸۰

محترمی ومکرمی جناب شاہ صاحب السلام علیکم

چند روز پہلے میں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا شاید مل گیا ہوگا۔ میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا اور مفتی صاحب کو میرے متعلق میرے حق میں بہترین الفاظ میں گواہی دینے کے لیے سفارش کی۔ اب عدالتی کارروائی ختم ہوگئی ہے اور عدالت نے میرے حق

میں فیصلہ دیا ہے مگر بعض قانونی مجبوریوں کی بناء پر مجھے مقدمہ سے بری نہیں کر سکے۔ کیونکہ ایک اور مجرم نے جو کہ میرا عزیز ہی ہے۔ بدقسمتی سے حکومت کے وکیل کے کہنے پر اقرارِ جرم کرلیا تھا۔ اس لیے مجھے کچھ نہ کچھ سزا دینی پڑی۔ میرے بیٹے اور میری بیوی کے بھتیجے کو چھوڑ دیا ہے۔ باقی تمام لوگ چھوڑ دیے گئے ہیں۔ میرے متعلق بھی سفارش کی ہے کہ ان کی سزا بہت کم ہونی چاہیے یا مکمل چھوڑ دینا چاہیے۔ اب قریباً قریباً سیاسی مسئلہ بن چکا ہے۔ میں نے خود بھی حکومت کو لکھا ہے کہ چونکہ میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہوسکا اور میں محض اسلام کے نام پر ایک جدوجہد کررہا تھا۔ جو کہ میرا ایک اسلامی فریضہ تھا۔ اس لیے آپ کو کوئی حق نہیں کہ مجھے سزا دیں۔ اور اگر آپ نے مجھے سزا دی تو یہ سراسر بے انصافی ہوگی۔ عدالت نے بھی میرے حق میں بہت اچھے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ جنرل تجمل جو کچھ کررہے تھے ایک اسلامی تحریک کے فروغ کے لیے کررہے تھے۔ اسے بغاوت قرار نہیں دینا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ آپ سے عرض ہے کہ آپ میرے بھائی انوار الحق کے ہمراہ محمود میاں کو بھیجیں تاکہ مفتی صاحب سے کہا جائے کہ وہ جنرل ضیاء الحق پر زور دیں کہ جنرل تجمل اسلام کے لیے کام کررہے تھے۔ انہیں کیوں سزا دیتے ہو۔ اور یہ تو قومی سطح پر ایک انقلاب لانا چاہتے تھے نہ کہ فوجی انقلاب۔ اور یہ کام بس ہفتہ دس دن کے اندر ہونا چاہیے کیونکہ اس کے اندر فیصلہ ہونا ہے۔ باقی تفصیل زبانی بتاؤں گا۔ اگر ہوسکے تو پیر پگاڑا صاحب سے بھی کہلوا دیں بہرحال مجھے اُمید ہے کہ آپ میری ہر ممکن مدد کریں گے۔

فقط والسلام

☆

۷۸۶

میجر جنرل ریٹائرڈ تجمل حسین

۸۱-۳-۱۵

محترمی ومکرمی جناب شاہ صاحب

السلام علیکم۔ کافی عرصہ سے آپ کی خدمت میں کوئی خط ارسال نہیں کیا۔ اُمید یہی تھی کہ شاید کوہ مری سے سیدھا گھر آجاؤں اور پھر حاضرِ خدمت ہوکر شرفِ ملاقات حاصل کروں لیکن حکومت

کو فکر پڑگئی کہ اگر اِسے سیدھا گھر بھیج دیا تو پھر اس نے بلاخوف وخطر یہی کہنا شروع کر دینا ہے کہ **ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰئک ھم الکفرون.........فاولٰئک ھم الظٰلمون........فاولٰئک ھم الفٰسقون.** یہی بات میں نے عدالت میں مفتی صاحب مرحوم سے پوچھی تھی۔اور کہا تھا کہ مفتی صاحب عدالت کو قرآن کی ان آیات کا مطلب سمجھائیں تو ان کا تاریخی بیان عدالت کے کاغذوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے گا۔انہوں نے یہی کہا کہ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکومت نہیں کرتے وہ کافر ہیں، وہ ظالم ہیں اور وہ فاسق ہیں۔ میں نے پھر کہا مفتی صاحب عدالت کو **وجاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ** کا مفہوم بھی سمجھا دیجیے۔تو فرمانے لگے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ ہر مسلمان سے روزِ محشر پوچھا جائے گا کہ تو نے عملاً اللہ کا قانون نافذ کرانے کے لیے کیا کردار ادا کیا۔لٰہذا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرانے کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

میرا بیان ایک تاریخی بیان تھا جو کہ فلم کیا گیا۔اور ٹیلی ویژن پر کمرہ عدالت میں دکھایا گیا۔موجودہ نظامِ حکومت کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے بعد جس میں میں نے کہا تھا کہ اس وقت اس ملک میں قانونِ شہادت انگریز کے وقت 1872ء کا قانون چل رہا ہے۔تعزیرات کا قانون 1860ء کا بنا ہوا ہے۔اس طرح تمام قوانین انگریز کے زمانہ کے بنائے ہوئے چل رہے ہیں۔قرآن اور سنت کا قانون نافذ کرنے کے لیے کسی کمیٹی یا کمیشن بٹھانے کی ضرورت نہیں۔قرآن بدلہ نہیں جا سکتا، حضرت محمد مصطفٰی ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ان کے بعد کوئی اور سنتِ رسول نہیں ہو سکتی۔لٰہذا اگر اسلامی قانون نافذ کرنا ہے تو فوری طور پر کرو۔ورنہ اسلام کو بدنام مت کرو۔

آخر میں کہا کہ اس ملک میں فیلڈ مارشل ایوب، جنرل یحیٰی، ذوالفقار علی بھٹو جیسے طاقتور حکمران آئے اور ایک ہوا کے جھونکے سے اُڑائے چلے گئے۔اگر آپ لوگ اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تو خلفائے راشدین کی طرز کا اسلام نافذ کریں جس کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

سروری در دینِ ما خدمت گری است ۔۔۔ عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است
کس نہ باشد در جہاں محتاجِ کس ۔۔۔ نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

میں نے کہا جس جاہ وجلال سے موجودہ حکمران رہتے ہیں۔اُسے دیکھ کر تو قیصر وکسریٰ کے جانشین

بھی حیران رہ جاتے ہونگے۔ اسلام تو اِن چیزوں کو مٹانے کے لیے آیا تھا۔ اور اگر آج کل کے دور، اسلامی نظام نے کامیاب ہونا ہے تو صرف خلفائے راشدین کے طرز کی اسلامی حکومت کمیونزم کے مقابلہ میں کامیاب ہوسکتی ہے۔ ورنہ شاہانہ طرز کا اسلام آج کل کے دور میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اسلامی نظام صرف دین ہے۔ جس کا نمونہ حضرت محمد مصطفی ﷺ نے دیا۔ اور پھر اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے خلفائے راشدین نے اپنے زمانے کی دنیا میں سب سے بڑی اسلامی ریاست قائم کی۔ ان صحرانشینوں کا نام سُن کر بڑے بڑے تاجدار کانپ اُٹھتے تھے۔ اور اُن کے سامنے ایک بدو اُٹھ کر خلیفہ وقت کو کہہ سکتا تھا کہ تم نے یہ فالتو چادر کہاں سے لی۔ یہ تھا اسلامی نظام جو چودہ سو سال تک بنی نوع انسان کے لیے مشعلِ راہ بنا رہا میں نے اسلامی انقلاب لانے کی ساری ذمہ داری خود قبول کرلی۔ میں نے کہا اس میں اگر کسی کا قصور ہو تو میں اس کی ذمہ داری اُٹھاتا ہوں۔ اسی لیے باقی سب رہا ہوگئے پہلے تو دس پندرہ افسر اور بھی پکڑے گئے تھے۔ لیکن چونکہ میرے بیٹے نے مجھ پر بوجھ کم کرنے کے لیے یہ الزام اپنے اُوپر لینا چاہا اس لیے اُسے بھی سزا ہوگئی۔ مجھ پر یہ جرم لگائے گئے تھے اور ہر ایک کی سزا موت تھی۔ عدالت نے مجھے سات جرموں سے بری کردیا اور پہلی دفعہ معمولی سزا دی۔ اور میرے بیٹے کو تو نوکری پر بھی بحال رکھا لیکن حکومت نے پھر عدالت کو نظرثانی کرنے کے لیے کہا کہ اگر جنرل تجمل پر جرم ثابت ہوگیا ہے تو پھر اُسے پوری سزا کیوں نہیں دی۔ وہ چاہتے تھے مجھے سزائے موت دی جائے۔ لیکن عدالت نے بڑی بلند کرداری کا ثبوت دیا اور مجھے سزائے موت کے متبادل عمر قید جو ۲۵ سال ہوتی ہے وہ بھی نہ دی اور اس سے آدھی سزا ۱۴ سال دی۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔ موجودہ حکومت چند ماہ کی مہمان ہے انشاء اللہ یہ عارضی دور جلد ختم ہوجائے گا۔ اسلام کی خاطر امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ سب نے جیلیں کاٹیں۔ میں تو ایک ناچیز انسان ہوں اگر اسلام کی سربلندی کے لیے مجھے سزا کاٹنی پڑی تو روزِ محشر اللہ کے حضور میں یہ تو کہہ سکوں گا کہ یاربی میں نے تو پوری کوشش کی تھی۔ کامیابی یا ناکامی تو میرے اختیار میں نہ تھی انشاء اللہ یہ جدوجہد زندگی بھر جاری رکھوں گا اور اگر خدا کو منظور ہوا تو کسی نہ کسی دن اس ملک میں اسلامی انقلاب کامیابی سے ہمکنار ضرور ہوگا۔ میری طرف سے محمود میاں کو سلام علیکم۔ اور کہنا اگر وقت ملے تو کبھی مجھے مل جائے۔ میری بیوی نے مجھے بتایا تھا کہ محمود میاں ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے اُسے بھی کہہ دیا تھا کہ بیشک اُسے بتادے کہ جب چاہیں

آجائیں صرف اتوار اور بدھ وار کو ملنے کی اجازت ہوتی ہے۔ میری طرف سے سب کو سلام۔

فقط والسلام

تجمل

☆

۸۶/

تجمل حسین

۲۲۔۵۔۸۱

محترمی ومکرمی جناب شاہ صاحب مدظلہ

السلام علیکم! کافی عرصہ سے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا۔ آپ کا نوازش نامہ جو دستی بھیجا تھا، ملا بہت بہت شکریہ۔ اگر آج مفتی محمود صاحب زندہ ہوتے تو میری بہت مدد کرتے کیونکہ میں جو کچھ کر رہا تھا ان کی تحریکِ اسلامی کو کامیاب بنانے کے لیے کر رہا تھا۔ اور ایک اسلامی فریضہ ادا کر رہا تھا۔ آپ نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ ضیاء الحق جو اپنے آپ کو خادمِ اسلام کہتا ہے وفاقی اور صوبائی کابینہ کی تشکیل میں ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کا کتنا خیال رکھا۔ پنجاب کے وزیروں میں تو تین چار رسہ گیر ہیں اسی طرح وفاقی کابینہ میں تین عورتیں وزیر بھی کافی بدنام ہیں یہی حال سندھ اور صوبہ سرحد کا ہے۔ تمام وزراء صاحبان دنیادار قسم کے لوگ ہیں۔ سوائے جنرل ضیاء الحق کے یا چند ایک اور وزیروں کے۔ جہاں تک مجھے علم ہے وفاقی یا صوبائی وزراء اور تمام مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو پانچ وقت کی نماز ادا کرتا ہو۔ چار سال سے اسلام اسلام کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کیا علماء کرام اتنے بھولے بھالے اور سادہ لوح انسان ہیں کہ اِن مکاروں کو سمجھ نہیں سکے۔ اسلام بدنام ہو رہا ہے اور یہ سب اپنی خیالی دنیا میں گم ہیں۔ بھٹو اور پیپلز پارٹی کی دشمنی میں اسلام کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا ان کو کوئی خیال نہیں۔ جمہوریت اسلام کی رُوح ہے جب تک اس ملک میں مارشل لاء قائم ہے اسلامی نظام ہرگز نافذ نہیں ہو سکتا۔ اسلامی نظام نافذ کرنے کے لیے اسلامی ذہن کے لوگ چاہئیں جو اسلام سے واقف ہوں۔ آیت اللہ خمینی نے چند برسوں میں مکمل اسلامی نظام نافذ کر دیا ہے اور ایران کی حالت شاہ

کے زمانہ میں پاکستان سے کہیں بدتر تھی۔ اسلام جب بھی نافذ ہوا ایک اسلامی تحریک کے ذریعہ ہی نافذ ہو سکے گا جو موجودہ ملحد نظامِ حکومت کو تہ و بالا کردے اور نوجوان طبقہ کے علماء دین جوشِ شہادت سے سرشار ہوکر میدانِ عمل میں آئیں گے تب ہی موجودہ حالات کا مقابلہ کرسکیں گے۔ میرے خیال میں پرانے طبقہ کے علمائے دین کا یا تو خون ٹھنڈا پڑ چکا ہے یا سیاست کو سمجھ نہیں رہے کہ ایک فوجی جرنیل چار سال سے سب کو بیوقوف بنا رہا ہے اور ارتقائی عمل سے اسلام نافذ کرنے کے جھوٹے وعدوں سے شاہی محلات میں زندگی گزار رہا ہے۔ میری طرف سے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو عرض کرنا کہ اگر اسلام کی خدمت کرنی ہے اور اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلنا ہے تو کفن باندھ کر میدانِ عمل میں نکلیں اور ایرانی علماء کے نمونہ پر ایک ایسا اسلامی انقلاب برپا کردیں کہ تمام اسلامی ممالک کے لیے ایک نمونہ بن جائے۔ ایران میں کمیونسٹوں کو بھی آزادی ہے اور انہیں برملا کہا جاتا ہے کہ اگر اسلام سے بہتر نظام لا سکتے ہو تو لے آؤ۔ آٹھ ماہ سے عراق اڑھائی.... ٹینکوں اور بہترین اسلحہ سے لیس فوج کے ساتھ اس قوم پر حملہ کر رہا ہے لیکن اب ایسا کیچڑ میں پھنسا ہے کہ نکل نہیں سکتا۔ خدانخواستہ اگر اس سے آدھی فوج کے ساتھ ہندوستان ہم پر حملہ کردیتا تو ایک ہفتہ کے اندر پاکستانی فوج کا صفایا کردیتا۔ ایران میں ایرانی فوج لڑ رہی ہے پوری قوم مسلح ہے یہاں ہمارے لوگوں کے پاس چاقو بھی نہیں۔ یہ بیچارے دشمن سے کیا لڑیں گے۔ اور ان کو مسلح اس لیے نہیں کیا جارہا کیونکہ انہیں مسلح کیا تو عوام حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گی۔ ایک نمائندہ حکومت بھی پوری قوم کو مسلح کرسکتی ہے مجھے یہ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ نظام العلمائے پاکستان میں اختلافات ختم ہوگئے ہیں اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب ناظم اول مقرر ہوئے لیکن اختلاف ختم ہونے کے بعد جب تک کوئی عملی کارروائی نہیں کریں گے تب تک وہ اختلافات ختم کرنے کا کیا فائدہ۔ اسلام سادھوؤں کا مذہب نہیں ہے۔ محمد مصطفٰے ﷺ نے ساری عمر غزوات میں گزاری۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں قرآن لے کر اسلام کی اشاعت کی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مارشل لاء کے ذریعے کبھی اسلام نافذ نہیں ہو سکے گا۔ اسلامی نظام نافذ کرنے کے لیے آپ کو ایسے لوگوں کی ایک جماعت تیار کرنی ہوگی جو آندھی اور طوفان بن کر پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کردے۔ ایرانی علماء نے اس کا نمونہ دے دیا ہے، آپ ان سے سبق سیکھیں۔ مجھے ضیاء الحق نے اسی لیے جیل میں بند کردیا ہے کیونکہ وہ

جانتا ہے کہ میں اس ملحد نظام کے خلاف کافی کچھ کرسکتا ہوں اگر میں باہر ہوتا تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی پوری مدد کرتا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر ان میں بھی وہی جذبہ اسلام ہو جو ان کے والد محترم مفتی محمود صاحب میں تھا تو انشاء اللہ وہ اپنے مقاصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ میری طرف سے محمود میاں کو السلام علیکم۔ مجھے خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے کی طرح اگر کوئی خط بھیجنا ہو تو دستی ہی بھیج دیا کریں۔

فقط والسلام
تجمل

☆

۷۸۶

۱۶۔۲۔۸۲

محترمی ومکرمی جناب شاہ صاحب السلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ شکریہ آج کل آپ کے اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بیانات پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ آپ حقیقتاً خدا کے فضل سے علمائے حق کا تاریخی کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ بھی پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ کی جماعت کے تفرقات کافی حد تک دور ہوگئے۔ مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی جماعت کو مزید تقویت پہنچے گی۔ اور صحیح معنوں میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے پوری قوم آپ کا ساتھ دے گی۔ جو لوگ ذاتیات سے بالاتر ہو کر اللہ تعالیٰ کے دین کے نفاذ کے لیے کام کرتے ہیں وہ عارضی مشکلات کے باوجود بالآخر ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر رہے۔ آپ میرے لیے بھی دعا کیا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ جیسے نیک بندوں کی دُعا ضرور قبول فرماتا ہے۔ میری طرف سے محمود میاں کو السلام علیکم۔

فقط والسلام
تجمل

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸۵-۱۰-۲۴

عزیزم محمود میاں۔السلام علیکم

شاہ صاحب (یعنی حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں صاحب) کے لیے میں ایک خط ارسال کر رہا ہوں۔یہ ان تک پہنچا دینا اور شاہ صاحب سے وقت مقرر کر کے میرے بیٹے نوید کو بھی شاہ صاحب کے پاس لے جانا۔اس سے پیشتر میں نے اُسے وہاں جانے سے روکے رکھا تھا۔کیونکہ اس کی رہائی کے فوراً بعد اس کا وہاں جانا موزوں نہیں تھا۔کیونکہ اکثر وہاں سی۔آئی۔ڈی کے لوگ پھرتے رہتے ہیں۔اب بھی اُسے اپنی کار میں لے جانا اور اپنی کار میں واپس چھوڑ جانا۔میری طرف سے شاہ صاحب کو السلام علیکم۔

فقط والسلام تجمل

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میجر جنرل ریٹائرڈ تجمل حسین ملک

۸۸-۹-۱۷

عزیزم محمود میاں۔السلام علیکم

میرے بیٹے نوید نے میرے خط کے جواب میں آپ سے گفتگو کے بارے میں اطلاع دی ہے۔میری طرف سے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو بتا دیجئے گا کہ مجھے اپنی پارٹی کا ہی ایک حصہ سمجھیں۔اور میرا ووٹ اپنی پارٹی کا ووٹ سمجھیں۔میرے الگ سیاسی پروگرام کی بہت سے وجوہات ہیں۔جس سے مولانا مفتی محمود مرحوم اور مولانا حامد میاں مرحوم کو مکمل اتفاق تھا۔مجھے محض قومی اسمبلی کا ممبر یا وزیر بننے کا کوئی شوق نہیں میری جدوجہد کا دائرہ اس سے بہت وسیع ہے میں آج بھی وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جب تک موجودہ نوآبادیاتی نظام مکمل طور پر جڑ سے اکھاڑ کر باہر نہیں پھینک دیا جائے تب تک محض شریعت آرڈیننس کے ذریعے صحیح نظام کا نفاذ ناممکن ہے۔

(۲) دراصل ہم جب بھی اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں اور موجودہ دور کے نظام ہائے دنیا کے

مقابلہ میں اسلامی نظام کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارے سامنے وہی نظام ہوتا ہے جس کی بنیاد حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے ڈالی تھی۔ اور اس کی خوبیاں بیان کرتے وقت اسی دور کی مثالیں دیتے ہیں جو خلفائے راشدین کے دور تک قائم رہا۔ نعوذ باللہ اگر وہ اسلامی نظام آج کل کے دور میں قابلِ عمل نہیں، تو پھر اس کی مثالیں دے کر اس کا استحصال کرنا صریحاً ظلم ہے۔ اس بارے میں اقبال نے ٹھیک کہا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(۳) حقیقت بھی یہی ہے سوال جدید یا قدیم اسلامی نظام کا نہیں۔ صحیح اسلامی نظام وہی ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی تحویلیں (تاویلیں) محض ڈھونگ ہیں۔ سود صریحاً حرام ہے لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسے نفع ونقصان کا نام دے کر جائز قرار دے دیا گیا ہے اور اس رقم سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے خنزیر کو تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو بھی حرام ہی رہے گا سود کی رقم سے وصول کی ہوئی زکوٰۃ کیسے جائز ہوسکتی ہے، مگر یہ سب کچھ ہورہا ہے۔ قریباً دس سال سے حدود آرڈیننس نافذ ہے اس کا اثر اُلٹا ہوا ہے باہمی دُشمنی اور معمولی جھگڑوں کی بنا پر جھوٹی شہادتیں پیش کر کے بے گناہ لوگوں کو جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ ہزار ہا بے گناہ لوگوں کو اس آرڈیننس کے تحت پچیس پچیس سال تک کی سزائیں دی جا چکی ہیں بلکہ بدعنوان سول حکام کے لیے رشوت کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن گیا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے تو ہمیں عملی طور پر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اس میں عوام کے تمام سیاسی وسماجی ومعاشی مسائل کا حل موجود ہے میرا یہ پختہ یقین ہے کہ قومی سطح پر ایک ہمہ گیر اسلامی انقلاب کے بغیر صحیح اسلامی نظام کا نفاذ ناممکن ہے۔

(۴) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پچھلے قریباً تیس سالوں تک فوجی وسول آمریت کے تحت زندگی گزارنے کے بعد عوام اِس قدر تنگ آچکے ہیں کہ محض جمہوریت کی بحالی سے انہیں مطمئن نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ ان کے روزمرہ زندگی کے مسائل کا کوئی تسلی بخش حل مہیا نہ کیا جائے ورنہ محض چہروں کے بدلنے سے کوئی فرق نہ پڑے گا لہٰذا اِس پس منظر میں اس کا واحد حل ایک مکمل اسلامی انقلاب ہے جو جمہوریت کے راستے سے بھی آسکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے نئی قیادت اور نئے

طریقِ کار کی ضرورت ہے جو دیہات اور شہر کے گلی کوچوں میں جا کر ذاتی رابطہ کے ذریعے اسلامی ریاست کے تنظیمی ڈھانچہ اور اس کے مقاصد کی وضاحت کر سکے، محض اخبارات میں بیانات شائع کرا دینے یا ضیاء الحق مرحوم کی طرح ''اسلام اسلام'' کی رٹ لگا کر کھوکھلے نعروں سے بات نہیں بنے گی اس بارے میں میں نے بہت سوچا اور لکھا ہے۔ جسے عملی شکل دینے کے لیے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ قومی اسمبلی ایک ایسا ادارہ ہے جس سے ایسے نظریات کو فروغ دینے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

(۵) جیسے پہلے لکھ چکا ہوں۔ میرے پرانے ساتھی مولانا مفتی محمود مرحوم اور مولانا حامد میاں مرحوم تو اِس دارِ فانی سے کوچ کر گئے لیکن ان کے جانشینوں کو میں اُسی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ انشاء اللہ رہائی کے بعد آپ سے اس موضوع پر تفصیل سے بات کروں گا۔ میری طرف سے رشید میاں و دیگر اہلِ خانہ اور فضل الرحمٰن صاحب کو السلام علیکم۔

والسلام تجمل

(جاری ہے)

انتقالِ پر ملال

گذشتہ ماہ ۱۱؍ دسمبر کو ڈیرہ اسماعیل خان کی معروف شخصیت جناب حاجی مہربان خان صاحب عارضہ قلب کی وجہ سے نوے برس کی عمر میں رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم مقامی جمعیت کے بہت اہم رُکن تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ سے بیعت تھے ان کے بعد رُوحانی تعلق بڑے حضرت ؒ بانیٔ جامعہ مدنیہ جدید سے قائم رہا اور تا دمِ مرگ اپنے اس تعلق کو خوب نبھایا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق کے ساتھ ساتھ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اہلِ ادارہ اپنے کو ان کے غم میں برابر کا شریک جانتے ہیں۔ جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ میں مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاءِ مغفرت کرائی گئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

دینی مسائل

﴿ جماعت کے احکام ﴾

لاحق اور مسبوق کے مسائل :

لاحق وہ مقتدی ہے جس کی کچھ رکعتیں یا سب رکعتیں شریک جماعت ہونے کے بعد جاتی رہیں خواہ عذر کی وجہ سے مثلاً نماز میں سو جائے اور اس درمیان میں کوئی رکعت وغیرہ جاتی رہی یا لوگوں کی کثرت سے رکوع سجدہ نہ کر سکے یا وضو ٹوٹ جائے اور وضو کرنے کے لیے جائے اور اس درمیان میں اس کی رکعتیں وغیرہ جاتی رہیں یا بے عذر جاتی رہیں مثلاً امام سے پہلے کسی رکعت کا رکوع و سجدہ کرنے اور اس وجہ سے اس کی یہ رکعت کالعدم سمجھی جائے تو اس رکعت کے اعتبار سے وہ لاحق سمجھا جائے گا۔ جو مقیم مسافر کی اقتداء کرے اور مسافر قصر کرے تو یہ مقیم امام کے نماز ختم کرنے کے بعد لاحق ہے۔

مسئلہ : لاحق کو واجب ہے کہ پہلے ان رکعتوں کو ادا کرے جو اس کی جاتی رہی ہیں ۔ اِن کو ادا کرنے کے بعد اگر جماعت باقی ہو تو شریک ہو جائے ورنہ باقی نماز پڑھ لے۔

مسئلہ : لاحق اپنی گئی ہوئی رکعتوں میں بھی مقتدی سمجھا جائے گا یعنی جیسے مقتدی قرأت نہیں کرتا ویسے ہی لاحق بھی قرأت نہ کرے بلکہ سکوت کیے ہوئے کھڑا رہے۔ اور جیسے مقتدی کو اگر سہو ہو جائے تو سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہوتی ویسے ہی لاحق کو بھی ضرورت نہیں۔

مسبوق یعنی جس کی ایک دو رکعت یا زیادہ رہ گئی ہو۔

مسئلہ : مسبوق کو چاہیے کہ پہلے امام کے ساتھ شریک ہو کر جس قدر نماز باقی ہو جماعت سے ادا کرے۔ امام کی نماز ختم ہونے کے بعد کھڑا ہو جائے اپنی گئی ہوئی رکعتوں کو ادا کرے۔

مسئلہ : مسبوق کو اپنی گئی ہوئی رکعتیں منفرد کی طرح قرأت کے ساتھ ادا کرنا چاہئیں اور اگر ان رکعتوں میں کوئی سہو ہو جائے تو اُس کو سجدہ سہو بھی کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ : مسبوق کو اپنی گئی ہوئی رکعتیں اس ترتیب سے ادا کرنا چاہئیں کہ پہلے قرأت والی پھر بے قرأت کی اور جو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھ چکا ہے ان کے حساب سے قعدہ کرے یعنی ان رکعتوں کے حساب سے جو دوسری ہو اُس میں پہلا قعدہ کرے اور جو تیسری رکعت ہو اور نماز تین رکعت والی ہو تو اس میں اخیر قعدہ کرے، وعلی ہذا القیاس۔

مثال : ظہر کی نماز میں تین رکعت ہو جانے کے بعد کوئی شخص شریک ہو اُس کو چاہیے کہ امام کے سلام پھیر دینے کے بعد

کھڑا ہوجائے اور گئی ہوئی تین رکعتیں اس ترتیب سے ادا کرے۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت ملا کر رکوع سجدہ کر کے پہلا قعدہ کرے اس لیے یہ رکعت اُس ملی ہوئی رکعت سے حساب سے دوسری ہے۔ پھر دوسری رکعت میں بھی سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت ملائے اور اس کے بعد قعدہ نہ کرے اس لیے کہ یہ رکعت اس ملی ہوئی رکعات کے حساب سے تیسری ہے۔ پھر تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت نہ ملائے کیونکہ یہ رکعت قرأت کی نہ تھی اور اس میں قعدہ کرے کیونکہ یہ قعدہ اخیر ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص لاحق بھی ہو اور مسبوق بھی مثلاً کچھ رکعتیں ہو جانے کے بعد شریک ہوا اور شرکت کے بعد پھر کچھ رکعتیں اُس کی چلی جائیں تو اس کو چاہیے کہ پہلے ان اپنی رکعتوں کو ادا کرے جو شرکت کے بعد گئی ہیں جن میں وہ لاحق ہے مگر ان کے ادا کرنے میں اپنے کو ایسا سمجھے جیسا وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے یعنی قرأت نہ کرے اور امام کی ترتیب کا لحاظ رکھے۔ اس کے بعد اگر جماعت باقی ہو تو اس میں شریک ہو جائے ورنہ نماز بھی پڑھ لے۔ پھر اس کے بعد اپنی ان رکعتوں کو ادا کرے جن میں مسبوق ہے۔

مثال : عصر کی نماز میں ایک رکعت ہو جانے کے بعد کوئی شخص شریک ہوا اور شریک ہونے کے بعد ہی اس کا وضو ٹوٹ گیا اور وضو کرنے گیا اس درمیان میں نماز ختم ہوگئی تو اس کو چاہیے کہ پہلے ان تینوں رکعتوں کو ادا کرے جو شریک ہونے کے بعد گئی ہیں پھر اس رکعت کو جو اس کے شریک ہونے سے پہلے ہو چکی تھی اور ان تینوں رکعتوں کو مقتدی کی طرح ادا کرے یعنی قرأت نہ کرے اور اِن تین کی پہلی رکعت میں قعدہ کرے۔ اسی لیے کہ یہ امام کی دوسری رکعت ہے اور امام نے اس میں قعدہ کیا تھا پھر دوسری رکعت میں قعدہ نہ کرے اس لیے کہ یہ امام کی تیسری رکعات ہے پھر تیسری رکعت میں قعدہ کرے اس لیے کہ یہ امام کی چوتھی رکعت ہے اور اس رکعت میں امام نے قعدہ کیا تھا۔ پھر اس رکعت کو ادا کرے جو اس کے شریک ہونے سے پہلے ہو چکی تھی اور اس میں قعدہ بھی کرے اس لیے کہ یہ اس کی چوتھی رکعت ہے اور اس رکعت میں اس کو قرأت بھی کرنا ہوگی اس لیے کہ وہ اس رکعت میں مسبوق ہے اور مسبوق اپنی گئی ہوئی رکعتوں کے ادا کرنے میں منفرد کا حکم رکھتا ہے۔ (جاری ہے)

عالمی خبریں

دغاباز امریکہ

اسلام آباد(ریاض احمد) جارجیا کے سابق صدر ایڈورڈ شیوارڈ نادزے نے کہا ہے کہ امریکہ اور بین الاقوامی تنظیم نے ان کی حکومت ختم کرنے کے لیے کروڑوں ڈالر استعمال کیے ہیں۔ اپنے عوام پر گولی چلا کر تاریخ میں برا نام رقم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ روسی اخبار کو ایک خصوصی انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ امریکہ اور مذکورہ تنظیم نے مل کر جارجیا میں یوگوسلایہ کا تجربہ دہرایا ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے پہلے سے منصوبہ تیار کر لیا تھا اور اپنے حواریوں میں کروڑوں ڈالر بانٹ دیئے۔ انہوں نے امریکی سفیر رچرڈ مائکس کو براہ راست موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے کہا کہ وہ یوگوسلاویہ کے انقلاب کا ماسٹر مائنڈ تھا۔ نادزے نے کہا کہ امریکہ نے اگرچہ کروڑوں ڈالر لٹائے مگر پھر بھی ان کو اپنے مقصد کے لوگ نہیں ملے۔ افسوس امریکہ نے مجھ سے مشورہ نہیں کیا ورنہ میں ان کو بامقصد لوگوں کے نام دے دیتا۔ اس سوال پر کہ آپ کس کا نام لیتے۔ نادزے نے کہا کہ میں نہیں بتاؤں گا کیونکہ پھر میرے لیے جینا بہت مشکل ہوگا۔ سابق صدر نے مزید کہا کہ میں نے فوج کو گولی چلانے کا حکم اس لیے نہیں دیا کیونکہ وہ میرے بچے تھے ان پر گولی چلا کر میں تاریخ میں برا نام تحریر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ کچھ بھی ہوجائے میں جینا اور مرنا جارجیا میں پسند کروں گا۔ سابق صدر نے کہا کہ پوٹن کے ساتھ اگرچہ ہمارے تعلقات بہتر نہیں تھے پھر بھی روسی صدر نے اپوزیشن کے ساتھ تصفیہ کے لیے وزیرِ اعظم کو بھیجا مگر وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ نادزے نے کہا کہ مذاکرات کی میز پر بیٹھتے ہی روسی وزیرِ اعظم نے کہا "کیا میں یہاں Toast Master ہوں پھر اس نے کہا میں جانتا ہوں اپوزیشن کے کون سے مطالبات ہوں گے اور آپ کا جواب کیا ہوگا اور پھر جہاز میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴؍دسمبر ۲۰۰۳ء)

☆

ہم جنس پرستوں کی 25 فیصد آبادی ایڈز میں مبتلا ہوگئی

ممبئی (بی بی سی ڈاٹ کام) بھارت کے شہر ممبئی میں ہزاروں ہم جنس پرست اور ان کے خاندان کے

افراد ایڈز کی بیماری کے بارے میں آگاہی پیدا کرنے کے لیے ایک جلوس نکال رہے ہیں ۔ ایک اندازے کے مطابق ممبئی شہر میں ہم جنس پرستوں کی کم از کم ۲۵ فیصد آبادی ایڈز کے مرض میں مبتلا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت ۴؍دسمبر ۲۰۰۳ء لاہور)

☆

خدا اِن غلاموں سے نجات دے

لاہور (ثناء نیوز) صوبائی دارالحکومت میں این ایف سی ایوارڈ کے سلسلہ میں چاروں صوبوں کے وزراء خزانہ کے اجلاس کے سلسلہ میں اخبار نویسوں کو بریفنگ کا اہتمام ۹۰؍شاہراہ قائداعظم پر وزیرِ اعلیٰ ہاؤس کی عمارت کے ڈرائنگ رُوم میں کیا گیا تھا۔ بریفنگ این ایف سی ایوارڈ کے چیئرمین وفاقی وزیر خزانہ شوکت عزیز نے دینا تھی ۔ بریفنگ سے چند منٹ قبل اخبار نویسوں کو اطلاع دی گئی کہ وفاقی وزیر خزانہ انہیں بریفنگ کرسی پر بیٹھ کر نہیں دیں گے اور نہ ہی اخبار نویس کرسیوں پر بیٹھے رہیں گے۔ شوکت عزیز امریکن سٹائل میں ڈرائنگ روم کی سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر بریفنگ دینا چاہتے ہیں ۔ بعد ازاں وزیر خزانہ شوکت عزیز نے اسی سٹائل میں بریفنگ دی۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴؍دسمبر ۲۰۰۳ء)

☆

دھوکے باز غیر جانبدار

بغداد (آن لائن) آزادی صحافت اور غیر جانبدارانہ میڈیا کے نام نہاد علمبردار مغربی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کی حقیقت اُس وقت کھل کر سامنے آگئی جب معزول عراقی صدر صدام حسین کی گرفتاری کے باقاعدہ اعلان کیے جانے کی پریس کانفرنس میں انہوں نے انتہائی جذباتی انداز میں مسرت کا اظہار کیا۔ عراقی انتظامی کونسل کے سربراہ پال بریمر کی اتوار کو پریس کانفرنس کے دوران جیسے ہی پال بریمر نے صدام حسین کے گرفتار کیے جانے کے الفاظ ادا کیے تو وہاں موجود متعدد مغربی میڈیا کے نمائندے اور صدام مخالف عراقی صحافی اُٹھ کھڑے ہوئے اور پرجوش انداز میں نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۵؍دسمبر ۲۰۰۳ء)

☆☆☆

اخبار الجامعہ

جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور

۳ر دسمبر مغرب کے وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید صاحب باب العلوم کہروڑپکا سے جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے، کچھ دیر قیام فرمانے کے بعد تشریف لے گئے۔

۶ر دسمبر کو مغرب کے بعد جمعیت علمائے اسلام کے امیر حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اور وزیر اعلیٰ سرحد جناب اکرم دُرانی صاحب جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے اور حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب سے مختصر ملاقات کے بعد تبلیغی اجتماع رائیونڈ میں تشریف لے گئے۔

۶ر دسمبر کو جناب حاجی امان اللہ خان صاحب اور ان کے داماد جناب محمد خالد صاحب تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لیے لاہور آئے اور جامعہ مدنیہ جدید میں ایک روز کے لیے قیام فرما ہوئے۔ اسی روز جناب حافظ فرید احمد صاحب شریفی کراچی سے جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے اور بعد نمازِ عشاء واپسی ہوئی۔

۷ر دسمبر کو جناب احمد شیخ صاحب اور شاکر صاحب لاہور سے اور بھائی امین صاحب اور بھائی عبدالحکیم صاحب شیخوپورہ سے جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے دوپہر کو کھانے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

۱۳ر شوال سے جامعہ مدنیہ جدید میں داخلے شروع ہوئے اور ۱۸ر شوال بروز ہفتہ سے درجہ اُولیٰ سے لے کر موقوف علیہ تک اسباق کا آغاز ہوا۔ فی الوقت جامعہ میں ۳۰۰ سے زائد طلبہ زیرِ تعلیم ہیں جن کے قیام اور صبح کا ناشتہ اور دو وقت کھانے کا انتظام جامعہ ہی کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے شامیانے لگا کر طلباء کی رہائش کا عارضی بندوبست کیا گیا ہے۔

۱۷ر دسمبر کو جناب مولانا فضل الدیان صاحب مرحوم کی تعزیت کے لیے مہتمم صاحب عمرزئی تشریف لے گئے اور پشاور میں ڈاکٹر عبدالدیان صاحب کی مزاج پرسی کے لیے بھی جانا ہوا۔ واپسی میں جمعرات کی شب جناب الحاج محمد شعیب صاحب کے ہاں پنڈی میں قیام فرمایا اور مسجد سیّدنا امیر حمزہؓ F-10/2 اسلام آباد میں جمعہ پڑھایا۔ ۲ر دسمبر کو واپس لاہور تشریف لائے۔

۲۰ر دسمبر کو جناب حافظ فرید احمد صاحب شریفی کراچی سے لاہور آئے اور ملاقات کی۔

۲۵ر دسمبر کو مہتمم صاحب ڈیرہ اسماعیل خان جناب حاجی مہربان صاحب کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے جمعہ وہاں کی مسجد بلالؓ میں پڑھایا۔ اگلے روز واپسی پر حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب کے پاس ملاقات کے لیے

تشریف لے گئے، بعدازاں خوشاب ہوتے ہوئے ۲۷ر دسمبر صبح ۴ بجے بخیریت واپسی ہوئی۔

۲۷ر دسمبر کو انگلینڈ سے جناب ظفر عالم صاحب جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے تعلیمی اور تعمیری احوال دیکھ کر بہت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔

۲۸ر دسمبر کو جناب مولانا سیّد سلمان ندوی صاحب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے ہمراہ جامعہ مدنیہ جدید صبح ۱۱ بجے تشریف لائے اور طلبہ سے خطاب فرمایا، بعداز طعام واپسی ہوئی۔

☆☆☆

مسجد حامد کے لیے خصوصی اپیل

رائیونڈ روڈ پر زیرِ تعمیر مسجد حامد کے ہال کی چھت ڈالنے کا مرحلہ آگیا ہے۔ لینٹر کے لیے درکار میٹریل کی تفصیل درج ذیل ہے۔ اہل خیر حضرات سے اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی گزارش ہے۔

لینٹر کا رقبہ = 9050 فٹ

سریا 18 ٹن	3,60,000.00
بجری 4800CFT	85,000.00
ریت 2400CFT	15,000.00
سیمنٹ (700 Bags)	1,75,000.00
الیکٹرک پائپ	25,000.00
دیواریں اور بیم	2,50,000.00
مزدوری	1,30,000.00
	10,40,000,00